380 | نومبر 2017

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مُحدِّث

مُدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی حفظہ اللہ

مُدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

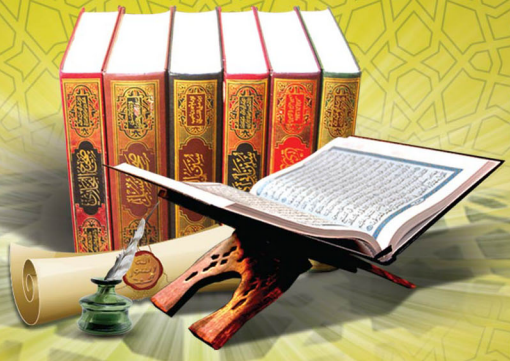

4	دینی مدارس کی اسناد کی منظوری؟
33	سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے کَلِمَةُ اللهِ اور رُوحُ اللهِ ہونے کی حقیقت
48	اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فضائل میں اشتراک
66	اصلاحی صاحب کی شرحِ صحیح بخاری

جامعۃ لاہور الاسلامیۃ

مجلس التحقیق الاسلامی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ محدث

لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

جلد 49 | نومبر 2017ء / ربیع الاول 1438ھ | عدد 06

مجلس مشاورت
▪ حافظ صلاح الدین یوسف ▪ ڈاکٹر محمد حماد لکھوی ▪ ڈاکٹر محمد اسحاق زاہد
▪ ڈاکٹر حافظ انس مدنی ▪ ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی ▪ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

فہرست مضامین

فکر ونظر — ایک جائزہ
دینی مدارس کی اسناد کی منظوری؟ 4

وفاق ہائے مدارس دینیہ
دینی مدارس کے لئے متفقہ حکمتِ عملی 30

ادیان وملل — مولانا خاور رشید بٹ
سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے کَلِمَۃُ اللہِ اور رُوحُ اللہِ ہونے کی حقیقت 33

حدیث وسنت — محمد نعمان فاروقی
اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فضائل میں اشتراک 48

تحقیق و تنقید — حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ
اصلاحی صاحب کی شرحِ صحیح بخاری 66

ترسیل
محمد اصغر 0305 4600861

زرسالانہ 300/= روپے
فی شمارہ 60/= روپے

بیرون ملک
زرسالانہ 20/= ڈالر
فی شمارہ 4/= ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No: 984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700
042-35866396, 35866476
Email:
Mohaddislhr@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore.

Islamic Research Council

محدث کتاب وسنت کی روشنی میں آزادانہ بحث وتحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر و نظر

وفاق ہائے مدارس کی تازہ پیش قدمی کا جائزہ

دینی مدارس کی اسناد کی منظوری؟

"ہر چند کہیں کہ 'ہے'، نہیں ہے!"

اسلام اللہ کی طرف سے ملنے والے علم اور اس پر عمل کا نام ہے۔ پہلی وحی میں علم سیکھنے، علم کے آداب، معلم حقیقی اللہ عزوجل کا تعارف اور علم کے موضوع کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اس علم وحی کو لینے، اس پر عمل کرنے اور اس کو سکھانے، آگے پھیلانے کے گرد مرکوز ہے۔

انسانیت پر سب سے بڑا احسان اس کو ہدایتِ حقیقی کی تعلیم و تربیت دینا ہے جو انبیاے کرام کا مشن ہے۔ جس طرح انبیا کی ذات وصفات سب سے ارفع واعلیٰ ہیں، اسی طرح انبیا کے علوم بھی سب سے بلند و بالا ہیں جو دراصل خالق کے عطا کردہ علوم یعنی 'علومِ الٰہیہ' ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بذاتِ خود 'دارِ ارقم' اور درسگاہِ صفہ میں اس نظام تعلیم کا آغاز کیا، اس تعلیمی ادارے کے اوّلین معلّم آپ ﷺ اور اس کے پہلے متعلّم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اسی نظام تعلیم نے دنیا کو تاریخ کی نامور اوّلین یونیورسٹیاں جامعہ زیتونہ، تیونس (۱۲۰ھ/۷۳۷ء) جامعہ قرویین، مراکش (۲۴۵ھ/۸۵۹ء)، جامعہ ازہر، مصر (۳۵۹ھ/۹۷۵ء)، جامعہ نظامیہ، بغداد (۴۵۹ھ/۱۰۶۶ء) دیں اور انسانیت کو علم کی روشنی سے آراستہ کیا۔ بڑے بڑے نامور علما یہاں سے تیار ہوئے اور اُنہوں نے سیکڑوں جلدوں پر مشتمل کتب بھی لکھیں اور علوم کا سنہرا دور متعارف ہوا۔ جبکہ حالیہ مغرب اس وقت جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کی مشہور یونیورسٹیاں ان اسلامی جامعات سے استفادہ کرتے ہوئے آکسفورڈ (۱۰۹۶ء)، کیمبرج (۱۲۰۹ء) اور ہارورڈ (۱۸۶۷ء) کے ناموں سے کئی سال بعد آہستہ آہستہ قائم ہوتی رہیں۔

اسلام میں علم اور عالم کے بے پناہ فضائل ہیں اور ہر مسلمان کے لئے علم سیکھنا لازمی ہے۔ مسلم معاشرے میں ہر فرد پر دین کا 'ضروری علم' سیکھنا واجب ہے جسے 'فرضِ عین' کہتے ہیں، جبکہ دین کا گہرا علم معاشرے کے

---

۱ «طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ»، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ (سنن ابن ماجہ: ۲۲۴)

ہر طبقے میں اتنے اشخاص کے لئے لازمی ہے جو پورے معاشرے کی رہنمائی کر سکیں اور یہ علم 'فرضِ کفایہ'[1] کہلاتا ہے۔ ایسے علم کے ماہرین دراصل انبیا کے وارث ہیں، اور قرآنِ کریم نے ان کو 'علمائے ربانی' قرار دیا ہے۔ بلکہ اسلام کے نظریاتی معاشرے کے قائدین یہی علمائے کرام ہیں جو نہ صرف عامۃ المسلمین کو اسلامی اقدار پر گامزن کرتے بلکہ حکام (اُولی الامر) کو شریعت کی راہوں پر قائم رکھتے ہیں تاکہ وہ عدل وانصاف کا فریضہ انجام دیں، اس طرح مسلم فرد اور اسلامی معاشرہ خیر وبرکت کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ قوموں کے عروج وزوال کی بنیادیں علم وتعلیم سے اُٹھتی ہیں۔ عہدِ نبوی سے لے کر جب اور جہاں تک تعلیم وتعلّم کا دور دورہ رہا، علوم نبوت میں رسوخ اور ان پر تمام سماجی وسائنسی علوم کی اساسات قائم کی جاتی رہیں تو مسلمان دنیا کی قیادت کرتے رہے۔ بانگِ درا میں مفکرِ پاکستان علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم　　جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

متذکرہ اسلامی جامعات کا طرّۂ امتیاز یہ تھا کہ وہ جامع مساجد کے گرد قائم کی جاتیں، یہاں جملہ علوم کی تعلیم بلامعاوضہ دی جاتی اور قرآن وسنت کی تعلیم وتربیت کے ساتھ معاشرتی ضروریات کے دیگر علوم بھی قرآن وسنت کی روشنی میں سکھائے جاتے رہے۔ اسی نظامِ تعلیم کے تحت اَندلس کی درس گاہوں میں شریعت وزبان کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم: کیمیا Chemistry ، فلکیات Astronomy ، ہندسہ Engineering، ریاضی Mathematics، طب Medical، نباتیات Botany، حیاتیات Biology اور فلسفہ Philosophy ومنطق Logic کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، جبکہ برصغیر میں انہی علوم پر مشتمل 'شعبۂ حکمت' درسِ نظامی کا ایک لازمی حصہ تھا، جو طب، ریاضی اور فلسفہ کے مجموعہ پر مشتمل[2] تھا۔ یعنی میڈیکل، انجینئرنگ اور عقلی علوم بھی ہمارے روایتی مدارس کا لازمی حصہ رہے ہیں۔ ماضی قریب میں علمائے کرام قرآن وسنت کے علوم کے ساتھ علوم حکمت کے بھی ماہر ہوتے حتیٰ کہ انہیں ان علوم کے بیشتر متون بھی زبانی حفظ[3] ہوتے تھے۔ کیونکہ اسلام کی رو سے "دین ودنیا کی کوئی ثَنَوِیّت نہیں ہے۔ دنیاوی زندگی

---

۱ ﴿ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ ﴾ (التوبہ:۱۲۲)

۲ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کے والد اور نزھۃ الخواطر کے مصنف مولانا عبدالحئی حسنی نے لکھا کہ "ہندوستان کے نصابِ تعلیم کے تیسرے دور (۱۵۸۳ء؛ دورِ اکبری) میں درسِ نظامی میں ہی علم طب، علم ہیئت اور علم ریاضی جیسے سائنسی علوم کا بھی اضافہ کیا گیا۔ انہی علوم میں سے موجودہ دینی مدارس میں آج بھی علم ہیئت کی کتاب شرح چغمینی (فلکیات) اور اُقلیدس (علم ہندسہ) درسِ نظامی میں شامل نصاب ہے۔" (مجلّہ 'الندوۃ':۱۹۰۹ء)

۳ والدِ گرامی مولانا ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ بتایا کرتے ہیں کہ ان کے والد محترم شیخ التفسیر حافظ محمد حسین امرتسری (م۱۹۵۹ء) صحیح بخاری کے چھ پاروں کے حافظ اور ان کے بڑے بھائی حافظ عبداللہ محدث روپڑی (م۱۹۶۴ء) کو ریاضی رہندسہ کی

میں درکار ہر علم اگر قرآن وسنت کی رہنمائی میں پڑھا جائے تو وہ فضیلت والا علم ہے اور اس کو سیکھنا کارِ ثواب ہے۔ البتہ اسلام میں علوم کی تقسیم نافع اور غیر نافع کی ہے۔"

برصغیر میں جب برطانوی استعمار نے اپنے ڈیرے ڈالے تو اپنے سیکولر[1] نظریات کے زیر اثر پورے معاشرے کو دین ودنیا کے دو خانوں میں بانٹ دیا۔ اور سامراج نے معاشرے کا مرکزی دھارا/ نظام، دین اور اس کے علوم کو نظر انداز کر کے خالص سیکولر بنیادوں اور انگریزی زبان وتہذیب پر تشکیل دیا، اگرچہ ایک مختصر دائرے میں مشرقی زبانوں/علوم کو سیکھنے کی اجازت گوارا کی۔ چنانچہ ۱۸۴۰ء کے بعد متعصب انگریز جنگجو مفکر لارڈ تھامس میکالے (م۱۸۵۹ء) کے زیر نگرانی سرکاری انگریزی تعلیمی نظام کو مرکزی حیثیت دیتے ہوئے، استعمار نے صرف اس کی اسناد کو قبول ومنظور کیا، بلکہ مسلمانوں کے قدیم سے چلے آنے والے تعلیمی نظام کے سرپرست اوقاف کے ذرائع آمدن پر بھی قبضہ کر لیا اور ان کی اسنادِ فضیلت کو بے وقعت قرار[2] دے دیا۔ ان کے اس عمل کے نتیجے میں جبری طور پر معاشرے میں مسلمانوں کے تعلیمی مدارس لارڈ میکالے کے قائم کردہ مرکزی تعلیمی دھارے سے علیحدہ ہو کر روایتی دینی علوم تک محدود ہو گئے اور انگریز سرکار کے زیر سایہ تعلیمی ادارے، سیکولر علوم کے ادارے بن کر اپنی اسناد کی منظوری سے معاشرے کو افرادِ کار مہیا کرنے لگے۔ یہ

درسی کتاب اُقلیدس کے کئی مقالات زبانی حفظ تھے۔ ایسے ہی شیخ الحدیث حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ (م۱۹۸۵ء) بھی ان علوم حکمت کے جامع وحافظ تھے۔ رحمہم اللہ اجمعین

۱ 'سیکولرزم' دین ودنیا یا چرچ وسٹیٹ (مذہب وریاست) کی تقسیم کا مغربی کفریہ نظریہ ہے جسے فرانسیسی مفکر وولٹائر ۱۷۷۸ء، امریکی دستور کی پہلی ترمیم ۱۸۰۲ء، اور برطانیہ میں جارج جیکب نے ۱۸۵۱ء میں بطورِ نظام متعارف کرایا۔ یہ نظریہ دین ودنیا کی صرف تقسیم کا داعی نہیں، بلکہ اجتماعیت کے تمام دائروں میں مذہب کا داخلہ منع کر کے پوری سیاسی، قانونی، تعلیمی اور ابلاغی قوت سے مذہب کو فرد کی ذاتی زندگی (عبادات وعقائد اور رسوم ورواج) تک مقید کرنے کے قانون بناتا اور ریاستی طاقت سے نافذ کرتا ہے۔ لبرل حکومتی جبر کے نتیجے میں آخر کار معاشرہ لادینیت کا شکار ہو جاتا ہے اور سیکولر لوگ آزادئ اظہار کے نام پر فرد کے مذہبی تصورات پر بھی حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ اسی نظریہ کا نتیجہ 'اسلام کی بنا پر تعلیم وسیاست کی تشکیل' کا انکار اور دینی ودنیاوی تعلیم کے جداگانہ ادارے ہیں۔

۲ تھامس میکالے ۱۸۳۴ء میں حکومتِ ہند کے نئے رکن قانون کی حیثیت سے مدراس میں وارد ہوا اور اسے 'مجلس تعلیماتِ عامہ' کا صدر بنایا گیا۔ اس نے ۱۸۳۵ء کی تعلیمی رپورٹ میں یہ قطعیت سے لکھا کہ "کمپنی کو اپنا تعلیمی بجٹ صرف اور صرف انگریزی تعلیم پر خرچ کرنا چاہیے اور کمپنی کو روایتی ومقامی مدارس کی مالی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔" میکالے نے دھمکی دی تھی کہ اگر اُس کی تجاویز پر عمل نہ کیا گیا تو وہ مجلس تعلیماتِ عامہ سے استعفا دے دے گا۔ یہ دھمکی کارگر رہی اور ۱۸۳۵ء سے انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنا دیا گیا۔ اس میں کسی شک کی گنجایش نہیں کہ انگریزی نظام تعلیم ایک نئی ہندوستانی اشرافیہ پیدا کرنے کی غرض سے رائج کیا گیا جو باہر سے ہندوستانی، مگر اندر سے انگریز ہو۔ نئی ہندوستانی اشرافیہ کی دوغلی شخصیت نو آبادیاتی ضرورت تھی۔ ("انگریزوں نے ہندوستان کو کیسے ذہنی غلام بنایا؟" از پروفیسر ناصر عباس نیر چیئرمین 'اُردو سائنس بورڈ'، مجلہ تعلیمی زاویے ۲۰۱۶ء، لاہور)

وہ مرحلہ ہے جب سیاسی جبر اور عوامی رجحانات کے زیر اثر دینی مدارس کا تعلیمی کردار محدود ہو گیا۔ گویا ہمارے معاشرے کی دینی و دنیاوی تقسیم انگریز کے سیکولر نظریات کا تقاضا تھی، جس نے ماضی کے برعکس مسلم معاشرے کو 'مسٹر' و 'ملا' کے دو طبقات میں بانٹ دیا۔

جب برطانیہ جنگِ عظیم دوم کے بعد اپنی استعماری طاقت برقرار نہ رکھ سکا، تو انگریز کو اپنے وطن مالوف تک سمٹنا پڑا، اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت اور مسلمانوں کی لازوال جدوجہد کے نتیجے میں بالآخر اسلام کے نام پر 'پاکستان' وجود میں آگیا۔ جس کا مقصد معاشرے کی سیاست وعدالت، تعلیم وابلاغ اور معیشت ومعاشرت میں استعمار کے اثرات کا خاتمہ کرکے اس کو اسلام کا نمونہ اور قلعہ بنانا تھا۔ اس عظیم مقصد کو قراردادِ مقاصد[1] (۱۹۴۹ء) اور بعد ازاں دستور پاکستان (۱۹۷۳ء) میں قانونی بنیاد بھی مہیا کر دی گئی۔[2]

بلاشبہ کسی مسلم حکومت کا بنیادی فریضہ "علوم نبوت کا احیا کرکے معاشرے میں ان کے ماہرین فراہم کرنے کے ذریعے، اس کو نبوی تعلیمات کے مطابق استوار کرنے کی جدوجہد کرنا ہے۔" کیونکہ مسلم حکومت کے قیام کا آغاز احیاے علوم دینیہ سے ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۷۶۲ء/۱۱۷۶ھ) مسلم حکومت کی تعریف اور اس کا طریقہ کار یوں بیان کرتے ہیں:

هي الرياسة العامة في التصدي لإقامة الدين بإحياء العلوم الدينية واقامة أركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفروض للمقاتلة وإعطاءهم من الفيء والقيام بالقضاء وإقامة الحدود ورفع المظالم والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابةً عن النبي ﷺ[3]

"یہ ایسی وسیع تر حکومت ہے جو نبی مکرم ﷺ کی نیابت میں نفاذ/اقامتِ دین کے فرض کو پورا کرتی ہے کہ (۱) وہ دینی علوم کا احیا کرے، (۲) ارکانِ اسلام (توحید ورسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) کو قائم کرے، (۳) جہاد کو جاری کرے، متعلقہ لشکروں کی تنظیم کرے، وجوبِ جہاد کا اعلان اور مجاہدین میں مالِ فے وغنیمت تقسیم کرے، (۴) شرعی نظامِ عدل کو قائم کرے، حدود کا نفاذ کرے، احتسابی نظام سے افسران کے مظالم کی بیخ کنی کرے اور معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جاری کرے۔"

یہی بات اس سے سات صدیاں قبل سیاسہ شرعیہ کے عظیم ماہر، خلافتِ عباسیہ کے نامور جسٹس وفقیہ، امام

---

۱ قرارداد مقاصد کو ۱۹۴۹ء میں دستور کا دیباچہ بنایا گیا، لیکن ۱۹۸۵ء میں اس کو باقاعدہ دستور کا حصہ قرار دے دیا گیا ہے۔

۲ افسوس کہ سپریم کورٹ کے پانچ رکنی فل بنچ نے ڈاکٹر نسیم حسن شاہ کی سربراہی میں مارچ ۱۹۹۲ء کو اس بنیاد کو بری طرح متاثر کیا۔

۳ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء از شاہ ولی اللہ دہلوی: ۱/۵

ابوالحسن علی الماوردی (م۱۰۵۸ء/۴۵۰ھ) بھی حاکم کے ۱۰ر فرائض گنواتے ہوئے سرفہرست لکھ چکے ہیں:

(1) حِفْظُ الدِّينِ وَالْحَثُّ عَلَى تَطْبِيقِهِ، وَنَشْرُ الْعِلْمِ الشَّرْعِيِّ وَتَعْظِيمُ أَهْلِهِ وَمُخَالَطَتُهُمْ وَمُشَاوَرَتُهُمْ.

(2) حِرَاسَةُ الْبِلاَدِ وَالدِّفَاعُ عَنْهَا، وَحِفْظُ الأَمْنِ الدَّاخِلِيِّ... الخ[1]

"حاکم کا پہلا فرض یہ ہے کہ دین کی حفاظت کرے اور اس کو نافذ کرنے کی جستجو کرے۔ علوم شرعیہ کو سکھانے کا انتظام کرے، اور علوم شرعیہ کے حامل علما کی عزت کرے، ان سے میل جول رکھے اور ان سے مشاورت کرتا رہے۔ اس کا دوسرا فرض یہ ہے کہ شہروں کی حفاظت اور ان کا دفاع کرے اور داخلی امن کو قائم کرے.... الخ"

یاد رہے کہ دستور پاکستان بھی قوم کی تعلیمی ضروریات کو پوری کرنا حکومت کی ذمہ داری قرار دیتا ہے:

"آرٹیکل ۲۵ (الف): ریاست پانچ سے سولہ سال تک کی عمر کے تمام بچوں کے لئے مذکورہ طریقہ کار پر جیسا کہ قانون کے ذریعے مقرر کیا جائے، مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے گی۔"

گویا تعلیم پہلے ہی حکومتی ذمہ داری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ذمہ داری کو دینی تعلیم تک وسیع کیا جائے اور دینی تعلیم کی بنیادی قابلیت کی بجائے معاشرے کو اس کے ماہرین بھی فراہم کئے جائیں تاکہ پاکستان کا اسلامی معاشرہ اور نظریاتی ریاست اسلام کی سمت تیزی سے پیش قدمی کر سکے۔

اُصولی طور پر جب دینی مدارس میں علم کی سب سے بلند ر مستند قسم کو سکھایا جاتا ہے اور علوم نبوت کے ماہرین تیار کرنا مسلم معاشرے کا ملّی اور دینی فریضہ ہے تو لازمی ہے کہ اس کو متعارف و مروّج کرنے کے لئے مسلم حکومتوں کی طرف سے اقدامات بھی کئے جائیں تاکہ مسلم معاشرے کی تشکیل میں علماء کو ضروری کردار ادا کرنے کا موقع ملے۔ اور مسلم حکومت کی طرف سے علوم اسلامیہ و شرعیہ کو سیکھنے کی اجازت ہی کافی نہیں بلکہ ان کا فروغ اور اس میں رسوخ بھی حکام کی مسلّمہ شرعی ذمہ داری ہے، جیسا کہ فوج و پولیس یا عدلیہ قائم کرنا اور ان کی معیاری اعلیٰ تعلیم کا انتظام کرنا حکومتی فریضہ ہے۔

ایک صدی سے زیادہ عرصہ انگریز سامراج کے پیدا کردہ فرقہ وارانہ تعصّب کے سائے تلے گزارنے کے باوجود علمائے کرام اور ان کے قائم کردہ تعلیمی اداروں نے پاکستان میں بڑی حد تک اسلامی تعلیمی خدمات کی ذمہ داری قبول کی، حالانکہ درحقیقت یہ فریضہ اصلاً پاکستان کے حکام کا تھا کہ وہ دیگر علوم کی طرح علوم نبوت کے نامور ماہرین بھی معاشرے کو فراہم کرتی۔ نیز مدارس دینیہ نے قومی تعمیر میں کردار ادا کرنے کی اہمیت کو سمجھتے

---

۱ الاحکام السلطانیہ از امام ابوالحسن ماوردی: ۱۵ بحوالہ موسوعہ فقہیہ، کویت: ۲۵/۳۰۴

ہوئے اپنے فضلا کو معاشرے کے مختلف میدانوں میں اپنی صلاحیتیں کھپانے کی کوششیں بھی کیں جس کے لئے پہلا قدم یہی تھا کہ مدارس کی اسناد کو سرکاری طور پر قبول و منظور کیا جاتا کیونکہ اسناد کے بغیر معاشرتی عمل بالخصوص سرکاری و قومی اداروں میں فرائض منصبی کی ادائیگی ممکن ہی نہیں۔

وفاق المدارس کے پلیٹ فارم سے اسناد کی منظوری کی جدوجہد میں تمام مکاتبِ فکر کے مدارس کا بلاامتیاز شریک ہونا اس امر کا غماز ہے کہ مدارسِ دینیہ پاکستانی معاشرے کو سیکولر نظریہ کے مطابق دینی و دنیاوی دائروں میں بانٹ کر رکھنا نہیں چاہتے اور مؤثر معاشرتی کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن افسوس ناک امر ہے کہ علوم نبوت کی تعلیم کو اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کبھی تعلیمی سرگرمی ہی نہیں مانا گیا، اور اُنہیں زیادہ سے زیادہ وزارت مذہبی امور کے تحت ایک مذہبی سرگرمی کے طور پر یا وزارتِ داخلہ کے تحت امن وامان کے لئے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں جاری ہونے والا پہلا نوٹیفکیشن بھی وزارتِ مذہبی امور کے ایک محترم ڈائریکٹر حج کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ حال ہی وفاقی وزیر مملکت برائے تعلیم نے بھی اُس وقت دینی مدارس سے ایک مبینہ معاہدہ کیا ہے، جب اٹھارویں ترمیم کے بعد وزارتِ تعلیم وفاق سے نکل کر صوبائی حکومتوں کے دائرہ اختیار میں آچکی ہے۔ تفصیلات آگے ملاحظہ کریں۔

پہلا مرحلہ: جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کا دور

ایک اسلامی ریاست ہونے کے ناطے پاکستان میں قانون و تعلیم کے میدانوں میں بھی اسلامی روایات واقدار کا احیا کرنا ہمارا قومی و آئینی فریضہ تھا۔ تیس سالوں کے بعد جب جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں حکومت نے پاکستان کے مقصدِ وجود کی طرف سنجیدہ پیش قدمی کی اور زندگی کے متنوع میدانوں میں اسلامی اصلاحات کو تدریجاً متعارف کرانا شروع کیا، تو دینی مدارس کو معاشرے کے مرکزی تعلیمی نظام میں واپس لانے اور استعمار کے اثرات کو کم کرنے کے لئے ان کی اسناد کو جزوی طور پر منظور کرنے کا حکم نامہ جاری کیا گیا۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (UGC) کے نوٹیفکیشن نمبر 8-418/Acad/82/128 مجریہ ۱۷ نومبر ۱۹۸۲ء کے مطابق:

"موضوع: یونیورسٹی ڈگری کے ساتھ دینی اسناد کا معادلہ (**Equivalence**)[1]

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے مذکورہ موضوع پر درج ذیل اعلان کیا کہ

دینی وفاق ہائے مدارس کی آخری سند کو کالج و یونیورسٹی میں اسلامیات اور عربی کے مضامین کی تدریس

---

۱ مضمون میں بیان کردہ سرکاری نوٹی فکیشنز کا ان کے اصل انگریزی متن کو سامنے رکھتے ہوئے عام فہم ترجمہ کیا گیا ہے۔ جبکہ اصل چھ انگریزی دستاویزات کو محدث کے انٹرنیٹ ایڈیشن کے آخر میں ملحق کر دیا گیا ہے جنہیں حسبِ ضرورت دیکھا جاسکتا ہے۔

اور ان میں مزید تحقیق کے لئے ایم اے اسلامیات اور عربی کے مساوی تسلیم کیا جاتا ہے۔
جبکہ تدریس کے علاوہ کسی اور میدان میں ملازمت حاصل کرنے کے لئے یہ سند پانے والے طلبہ کے لئے لازمی ہو گا کہ بی اے درجہ کے (عربی اور اسلامیات کے ماسوا) کسی بھی یونیورسٹی سے دو اختیاری مضامین کا امتحان پاس کریں۔ مزید برآں اُنہیں حال ہی میں متعارف کرائے جانے والے بی اے درجہ کے مطالعہ پاکستان اور اسلامیات کے لازمی پیپرز بھی پاس کرنے ہوں گے۔"

درج ذیل وفاق ہائے مدارس اور دینی مدارس[1] کی آخری سند (العالمیہ) کو منظور کیا گیا:

۱۔ وفاق المدارس عربیہ، ملتان	دیوبندی / حنفی
۲۔ دار العلوم کورنگی، کراچی	دیوبندی / حنفی
۳۔ جامعہ اشرفیہ، لاہور	دیوبندی / حنفی
۴۔ تنظیم المدارس اہل سنت، لاہور	بریلوی / حنفی
۵۔ دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ	بریلوی / حنفی
۶۔ جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن، لاہور	بریلوی / حنفی
۷۔ وفاق المدارس السلفیہ، فیصل آباد	اہل حدیث
۸۔ جامعہ تعلیمات اسلامیہ، فیصل آباد	اہل حدیث
۹۔ وفاق المدارس شیعہ، لاہور	اہل تشیع
۱۰۔ رابطۃ المدارس الاسلامیہ، منصورہ، لاہور	جماعتِ اسلامی

واضح رہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے اس حکم نامے میں صرف ایم اے کی سند کو قبول کیا گیا تھا، اور ان سالوں میں صرف وفاق کی آخری سند الشهادة العالمية ہی ایم اے اسلامیات و عربی کے لئے کافی سمجھی جاتی رہی۔ اور اس امر کا قوی امکان تھا کہ اعلیٰ ترین تعلیمی سند منظور ہونے کے بعد ایم اے کے نچلے مراحل بھی آہستہ آہستہ منظور و معتبر ہوتے جائیں گے۔

تاہم اس موقع پر ایم اے کی سند کو 'ہر طرح کی قابلیت' کے لئے منظور نہ کیا گیا تھا بلکہ ہر طرح کی مسلمہ اہلیت کے لئے بی اے درجہ کے چار مضامین پاس کرنا ضروری قرار دیے گئے تھے:

اسلامیات اور عربی کے سوا کوئی سے دو اختیاری مضامین (جیسے اُردو، معاشیات، سیاسیات وغیرہ)

---

۱ ۱۹۸۲ء میں چاروں وفاق ہائے مدارس (نمبر ۱، ۴، ۷ اور ۹) کو منظور کیا گیا جبکہ باقی کی منظوری کچھ عرصہ بعد عمل میں آئی۔

اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کے لازمی[1] مضامین

چنانچہ اس سہولت سے استفادہ کرتے ہوئے الشهادة العالمية کے سند یافتہ بہت سے طلبہ نے سرکاری یونیورسٹیوں میں بی اے کے امتحان میں شرکت کی اور ان مضامین کا امتحان پاس کرکے، ایک طرف بی اے کی ڈگری سرکاری یونیورسٹی سے حاصل کرلی تو دوسری طرف ان کی الشهادة العالمية بھی دیگر میدانوں کے لئے معتبر قرار پاگئی۔ ۲۰۰۶ء میں پنجاب یونیورسٹی کے تحت منعقدہ، ایسا امتحان دینے والے طلبہ کی سند کا متن یوں دیکھا گیا:

"تصدیق کی جاتی ہے کہ....بن....از....نے الشهادة العالمية في العلوم العربية والإسلامية پاس کرنے کے بعد پہلا سالانہ امتحان ..... منعقدہ ..... میں اضافی مضامین: علوم اسلامیہ، ومطالعہ پاکستان، پنجابی اور سیاسیات میں کامیابی حاصل کی ہے۔ نمبر حاصل کردہ ۵۰۰/....."

پنجاب یونیورسٹی کے تحت ہونے والے اس امتحان کے رزلٹ کارڈ کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ طالب علم نے وفاق سے عالمیہ کا امتحان پاس کرنے کے بعد کل ۵۰۰ نمبروں کا مزید امتحان دیا ہے، جن میں ۲۰۰، ۲۰۰ نمبروں کی سیاسیات اور پنجابی شامل ہیں۔ جبکہ بطور لازمی مضامین: مطالعہ پاکستان / اسلامیات لازمی کے ۵۰، ۵۰ نمبروں کے دو مضامین کا امتحان دیا گیا ہے۔ گویا انگریزی کے علاوہ کل چار مضامین کے امتحان کے بعد

اوّلاً: ایم اے علوم اسلامیہ کی سند ہر میدان میں فرائض منصبی کی ادائیگی کیلئے کامل اور اہل قرار پائی۔

ثانیاً: سند پر مذکور 'بی اے (وفاق المدارس)' سے پتہ چلا کہ اب یہ طالب علم بی اے کا بھی سند یافتہ ہے۔

واضح رہے کہ ۱۹۸۲ء کے نوٹیفکیشن میں مذکور اس طریقہ کار کو اختیار کرتے ہوئے، ایم اے کو جامع تر کرنے اور بی اے کی سرکاری سند حاصل کرنے کے لیے انگریزی کی کوئی تعلیم لازمی نہیں ہے۔

دوسرا مرحلہ: جنرل پرویز مشرف کا دور

جنرل محمد ضیاء الحق کے بعد آنے والی پاکستانی حکومتیں پھر اپنے دینی فریضہ سے غافل ہو گئیں، حتیٰ کہ جنرل پرویز مشرف کے دورِ حکومت میں مدارسِ دینیہ کی اس سند پر بعض پابندیاں عائد کر دی گئیں تاکہ وفاق کی اسناد کی ترویج میں رکاوٹیں ڈالی جائیں۔ اس سے قبل مدارس کے آخری تعلیمی مرحلہ کا ہی امتحان لیا جاتا تھا، اور اس کی

---

[1] ۱۹۸۲ء کے اصل نوٹی فکیشن میں 'حال میں ہی متعارف کرائے گئے اختیاری Elective مضامین' اسلامیات اور مطالعہ پاکستان درج ہیں، جبکہ یہاں اختیاری کا لفظ ٹائپنگ کی غلطی ہے، کیونکہ ۲۰۰۵ء میں ایچ ای سی کی طرف سے جب اسی نوٹیفکیشن کو آگے بڑھایا گیا تو وہاں اسی عبارت کی اصلاح کرتے ہوئے اختیاری کی بجائے لازمی مضامین لکھ دیا گیا۔ دیکھیں اگلا نوٹیفکیشن ۲۰۰۵ء

سند جاری کر دی جاتی تھی۔ جبکہ اعلیٰ تعلیم کے وفاقی ادارے (ہائر ایجوکیشن کمیشن) کی طرف سے نوٹیفکیشن نمبر 8-16/HEC/A&A/2005 مجریہ ۲۰/ اگست ۲۰۰۵ء میں قرار دیا گیا کہ

"موضوع: دینی اسناد کی منظوری **Recognition**

HEC وفاق ہائے مدارسِ دینیہ کی اسناد کو عربی واسلامیات کی تدریس و تحقیق کے لئے ایم اے اسلامیات و عربی کے مساوی تسلیم کرتا ہے۔ تاہم ان وفاقوں کی عالمیہ کی سند کی منظوری کے لئے ضروری ہے کہ اس سند کا حامل درج ذیل تعلیمی مراحل کو پاس کر چکا ہو:

مڈل سکول سرٹیفکیٹ (متوسطہ)		۸ سالہ تعلیم جو درج ذیل میں داخلہ کا تقاضا ہے:
شہادۃ ثانویہ عامہ	(میٹرک)	۲ سالہ تعلیم
شہادۃ ثانویہ خاصہ	(انٹرمیڈیٹ)	۲ سالہ تعلیم
شہادۃ عالیہ	(بی اے)	۲ سالہ تعلیم
شہادۃ عالمیہ	(ایم اے)	۲ سالہ تعلیم

اس طرح ایم اے تک کل تعلیمی دورانیہ ۱۶ سال پورے ہوتے ہیں جو ایم اے (اسلامیات و عربی) کی ڈگری کا قانونی تقاضا ہے۔

تدریس کے علاوہ کسی اور میدان میں ملازمت حاصل کرنے کے لئے ایم اے کی یہ سند پانے والے طلبہ کے لئے لازمی ہو گا کہ وہ کسی بھی یونیورسٹی سے بی اے درجہ کے (عربی اور اسلامیات کے ماسوا) دو اختیاری مضامین کا امتحان پاس کریں۔ مزید برآں اُنہیں بی اے درجہ کے اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کے لازمی امتحان (Compulsory Subjects) بھی پاس کرنا ہوں گے۔

چنانچہ وفاق کے کسی بھی سند یافتہ کو معادلہ کا لیٹر، انفرادی طور پر مطلوبہ اسناد کی فراہمی کے بعد، طے شدہ فارم نمبر E-02 بھرنے پر ہی جاری کیا جائے گا۔"

اس طرح مدارس کو اس امر کا تو پابند کیا گیا کہ وہ ایم اے کی سطح کے امتحان سے قبل میٹرک (ثانویہ عامہ)، ایف اے (ثانویہ خاصہ) اور بی اے (شہادۃ عالیہ) کے امتحان بھی منعقد کرائیں، اور ان میں ضروری دورانیہ بھی ملحوظ رکھیں، نیز طلبہ کے لئے مڈل کی سند پیش کرنا بھی ضروری قرار پائی۔ لیکن سابقہ امتحانات کے انعقاد اور ان کی پابندی کے باوجود ان کی اسناد کی منظوری کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اس اقدام کا مقصد مدارس کو قومی دائرے میں لانے کی بجائے، معاشرے میں تقسیم کو مزید گہرا کرنا تھا، اس لئے پابندی اور رکاوٹ پر ہی اکتفا کیا گیا۔

ایچ ای سی کے مذکورہ بالا نوٹیفکیشن کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ایم اے کی سند کو مشروط طور پر معتبر قرار

دلوانے کے لئے بھی دفتر وفاق کو طالب علم کے سابقہ تین امتحانات اور مڈل کا ریکارڈ پیش کرنا ضروری ہے۔ اور اس سند کو اُصولی طور پر معتبر قرار دینے کے بجائے مطلوبہ پرفارما پر انفرادی ریکارڈ پیش کرنے پر ہی متعلقہ اُمیدوار کی ایم اے کی سند مشروط طور پر تدریس و تحقیق کے لئے معتبر قرار دی جائے گی۔ یاد رہے کہ اس مرحلے میں بھی ایم اے کو جامع تر کرنے کے لئے انگریزی کی کوئی تعلیم لازمی قرار نہیں دی گئی۔

اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے

مدارس کی آخری سند کی مشروط منظوری کے باوجود، ان کی میٹرک اور ایف اے کی اسناد قومی نظام تعلیم میں معتبر نہ سمجھی جاتی تھیں۔ ان کی منظوری کی طرف پیش قدمی کی بجائے مشرف حکومت کا اُلٹا موقف یہ بھی رہا کہ جب ان کی نچلی سندیں معتبر نہیں، تو پھر ایم اے کی سند کی منظوری کا بھی خاتمہ ہونا چاہیے؟

① چنانچہ ۲۰۰۵ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے سامنے صوبہ سرحد میں ہونے والے ناظم اور نائب ناظم کے انتخابات میں اُمیدواروں کی اہلیت پر اعتراض کیا گیا تو جسٹس تصدق حسین جیلانی کی سربراہی میں ۴/ اگست ۲۰۰۵ء کو سہ رکنی بنچ نے یہ فیصلہ دیا کہ

"مدارس کی سندیں رکھنے والوں کو مشروط طور پر انتخابات لڑنے کی اجازت ہے، تاہم اس کا حتمی فیصلہ ابھی ہونا باقی ہے۔"

② اس دور میں پارلیمنٹ میں متحدہ مجلس عمل سے تعلق رکھنے والے ستّر ارکان دینی مدارس سے فارغ التحصیل تھے۔ چنانچہ یہی مسئلہ دوبارہ سپریم کورٹ میں چند روز بعد ۱۶/ اگست ۲۰۰۵ء کو پھر پیش آگیا تو دورانِ سماعت اٹارنی جنرل مخدوم علی خان نے عدالتِ عظمیٰ سے کہا کہ

"جب کوئی شخص میٹرک پاس ہی نہیں تو الشہادۃ العالمیہ کی سند کو بی اے یا ایم اے کے مساوی کیسے مانا جاسکتا ہے؟ پانچ دینی وفاق ایسے ہیں جن کو HEC نے سندیں دینے کا اختیار دیا ہے اور اُنہیں تین لازمی مضامین پاس کرنے کے بعد ہی میٹرک یا انٹر میڈیٹ کے برابر تسلیم کیا جاتا ہے۔"

اور سپریم کورٹ کے بنچ نے چیف جسٹس افتخار چودھری کی سربراہی میں یہ تبصرہ کیا کہ

"صرف انہی دینی مدرسوں کی سندیں قابل قبول ہوں گی جو ہائر ایجوکیشن کمیشن HEC سے منظور شدہ ہوں اور یہ سندیں میٹرک کے مساوی اس وقت سمجھی جائیں گی جب طالب علم نے کسی بورڈ سے انگلش، اردو اور مطالعہ پاکستان کے لازمی مضامین پاس کیے ہوں۔"

③ اور اس موقع پر سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ

"دینی اسناد کے بی اے کے برابر ہونے کا فیصلہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ہوگا،

اور وہ جس سند کو بی اے کے برابر قرار دے گا، اسی اُمیدوار کو الیکشن لڑنے کی اجازت ہو گی۔"[1]

سپریم کورٹ کے اس فیصلہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ عدالتِ عظمیٰ نے لاہور ہائی کورٹ کے فیصلہ کی تصدیق کر دی ہے اور پشاور ہائی کورٹ کے فیصلہ کو مسترد کر دیا ہے۔[2]

ظاہر ہے کہ سپریم کورٹ کسی بھی فیصلہ سے قبل مجاز سرکاری اداروں سے جملہ تفصیلات اور قوانین طلب کرتی ہے۔ اس فیصلہ سے معلوم ہوا کہ وفاق کے تحت میٹرک، ایف اے کے امتحان سرکاری طور پر دو شرائط کے تحت معتبر ہیں: اوّل تو یہ امتحان 'منظور شدہ پانچ وفاقات یا مدارس' کے تحت ہونے چاہئیں۔ دوم: ان کے ساتھ انٹر بورڈ سے انگریزی، اردو اور مطالعہ پاکستان کے مضامین کا امتحان بھی پاس کرنا ضروری ہے۔

④ اس کے دو سال بعد دینی مدارس کی اسناد کی بنا پر سیاست میں حصہ لینے والوں کو ماضی کے عدالتی فیصلہ کے برعکس واضح طور پر یوں منع کر دیا گیا:

"لاہور ہائیکورٹ کے الیکشن ٹربیونل کے دو جج صاحبان جسٹس محمد مزمل خاں اور جسٹس سردار محمد اسلم نے اپنے فیصلہ میں یہ قرار دیا کہ الیکشن ۲۰۰۸ء میں دینی مدارس کی اسناد کو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور ایسے اُمیدوار الیکشن لڑنے کے سلسلے میں نااہل تصور ہوں گے۔ یاد رہے کہ گزشتہ انتخابات کے موقع پر ۲۵/ جولائی ۲۰۰۲ء کو ایک عدالتی فیصلہ کی رو سے دینی اسناد کے حامل اُمیدواروں کو الیکشن لڑنے کی اجازت دی گئی تھی جس فیصلہ کو عدالتِ عالیہ نے اُسی الیکشن کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہوئے آئندہ انتخابات کے لئے ایسے اُمیدواروں کو نااہل قرار دیا۔"[3]

فاضل عدالت نے یہ قرار دیا کہ "صرف ایسے اُمیدوار انتخابات لڑنے کے اہل ہیں جنہوں نے دینی اسناد کے ساتھ بی اے کی انگریزی اور ایک مضمون کا سرکاری امتحان بھی پاس کیا ہو۔"

لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کی بنیاد واضح نہیں ہے کہ انہوں نے کیوں کر بی اے کی انگریزی اور ایک مضمون کا سرکاری امتحان پاس کرنے کی شرط پیش کی؟ جبکہ ۱۹۸۲ء کے نوٹیفکیشن میں تو کوئی سے دو اختیاری اور دو لازمی مضامین کے سرکاری امتحان دینے کی بات کی گئی تھی اور اختیاری مضامین میں انگریزی کو لازمی کرنے کی قانونی بنیاد واضح نہیں۔ غالباً لاہور ہائیکورٹ نے عمومی بی اے کے لازمی مضامین (انگریزی، اسلامیات اور مطالعہ

---

۱ http://www.bbc.com/urdu/pakistan/story/2005/08/050816_court_degree_madarsa_zs.shtml

۲ ایضاً

۳ روزنامہ 'پاکستان': ۱۳/ دسمبر ۲۰۰۷ء

پاکستان) کی قومی تعلیمی پالیسی یہاں لاگو کر دی، جبکہ وفاق کے تحت متوازی نظام جس کو ایم اے (وفاق) اور بی اے (وفاق المدارس) کے طور پر لیا جاتا ہے، کو پیش نظر نہیں رکھا جو دینی مدارس کے لئے خاص ہے۔

معادلہ Equivalence اور الحاق Affiliation میں فرق

فاضل عدالتِ عالیہ کے اس فیصلہ کے مستقبل میں سنگین اثرات مرتب ہوئے اور طلبہ مدارس کے لئے مزید اُلجھنیں پیدا ہوئیں۔ جبکہ پیش نظر فیصلہ میں منظوری Recognition کے دو مروّجہ نظاموں میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور مشرف دور کے سیاسی دباؤ، اور امریکی امداد کے عین عروج کے دور میں معادلہ Equivalence کے تصور کو قومی نظام تعلیم سے الحاق Affiliation کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قومی نظام تعلیم کے تقاضے اور ڈھانچہ مقرر کرنے کا حق ہر قوم کو حاصل ہے۔ لیکن ہر نظام تعلیم میں کسی بھی متوازی نظام تعلیم کو قانوناً معتبر قرار دینے اور اس کو مستند حیثیت دینے میں طے شدہ مضامین سے بڑھ کر تعلیمی دورانیہ اور اس کے ہم پلہ مضامین کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان میں میٹرک وانٹر کی سطح پر اسلامیات و مطالعہ پاکستان لازمی مضامین ہیں، لیکن پاکستان میں ہی برطانوی نظام تعلیم کے اے اور اولیول کے نصابِ تعلیم میں یہ لازمی مضامین (طے شدہ سرکاری نصاب کے ساتھ) شامل نہیں، اس کے باوجود ان کے تعلیمی نظام کا تقابل و تجزیہ کرتے ہوئے، اے لیول کو ایف اے اور اولیول کو میٹرک کا معادلہ Equivalence دے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح پاکستان کی قومی تعلیمی پالیسی میں بی اے کی سطح پر لازمی مضامین میں مطالعہ پاکستان اور اسلامیات لازمی کے ساتھ، انگریزی بھی لازمی ہے۔ لیکن جو طلبہ سعودی یونیورسٹیوں سے بی اے کے سند یافتہ ہوتے ہیں، ان کو انگریزی کے بغیر بھی HEC کی طرف سے بی اے کے معادلہ کا سرٹیفکیٹ جاری کیا جاتا ہے۔ یہی صورت حال دینی مدارس کے وفاقات کی ہے کہ چونکہ اس میں سرکاری خزانے سے کچھ خرچ نہیں کیا جاتا، اس لئے اس میں قومی تعلیمی پالیسی کو نافذ کرنے کی بجائے اس کو فی الوقت ایک متوازی پرائیویٹ نظام تعلیم کی حیثیت حاصل ہے اور اس بنا پر اس کے تعلیمی دورانیے اور نصابات کا جائزہ لیتے ہوئے، قومی تعلیمی پالیسی سے قطع نظر ان کے فضلا کو ایم اے کے مساوی Equivalence قرار دیا جاتا رہا ہے (جیسا کہ ۱۹۸۲ء کا نوٹیفکیشن بھی اپنے عنوان میں ہی Equivalence کا لفظ لکھتے ہوئے اس کو ایک متوازی نظام تعلیم قرار دیتا ہے)۔

جبکہ قومی سرکاری نظام تعلیم اور پالیسی یا تو پارلیمنٹ سے چارٹر ہونے والی یونیورسٹیوں میں لاگو ہوتی ہے یا پبلک یونیورسٹیوں اور ان کے ماتحت چلنے والے الحاق شدہ Affiliated کالجوں میں۔ اس کی ایک آسان مثال یہ بھی ہے کہ کیا جرمنی سے بی اے کرنے والے سند یافتہ کو پاکستان میں جاہل تصور کیا جائے گا؟ یا بعض ضروری

جائزوں کے بعد ایف اے یا بی اے کے مساوی رہم پلہ قرار دیا جائے گا، جبکہ اس جرمن طالب علم نے بی اے کے پاکستان میں منظور شدہ لازمی مضامین سے کچھ بھی نہیں پڑھے ہوں۔ یہی صورتحال دینی مدارس کے فضلا کی ہے کہ ان پر قومی پالیسی جاری کرنے کی بجائے، ان کے تعلیمی دورانیے اور نصابات کی اہمیت ووقعت کو دیکھا جائے۔ اندریں صورتحال ضرورت اس امر کی ہے کہ اس عدالتی فیصلہ پر مزید قانونی چارہ جوئی کرتے ہوئے، فضلاے مدارس کو میسّر سہولت جاری رکھی جائے۔

⑤ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے ان دنوں راقم نے اپنے مضمون میں لکھا تھا:

"گزشتہ ۵ سالوں میں ۶۴ ارکانِ اسمبلی انہی دینی اسناد کی بنا پر منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچے تھے لیکن حالیہ فیصلہ کے بعد اَب ایسے امیدوار الیکشن لڑنے کے اہل نہیں رہے۔ تقریباً دو برس قبل ۲۰۰۵ء میں یونین کونسلوں کے انتخاب کے موقع پر سپریم کورٹ کے سامنے بھی یہی مسئلہ پیش آیا تھا تو اس وقت دینی اسناد کے بارے میں سپریم کورٹ نے واضح موقف اختیار کرنے کی بجائے اس امر کا فیصلہ کیا تھا کہ دینی اسناد کے بی اے کے برابر ہونے کا فیصلہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ہو گا، اور وہ جس سند کو بی اے کے برابر قرار دے گا، اسی اُمیدوار کو الیکشن لڑنے کی اجازت ہو گی۔ اس اُصولی فیصلہ کے بعد ماہِ جون ۲۰۰۶ء کے وسط میں قومی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ضلع ژوب کے ناظم سمیت ۱۶ ناظمین کو اُن کے عہدے سے صرف اس بنا پر ہٹا دیا گیا کہ ان کے پاس محض دینی تعلیم کی اَسناد تھیں اور انگریزی و مطالعہ پاکستان کا امتحان انہوں نے پاس نہ کیا تھا۔ ان ناظموں کی جگہ پر دوسرے نمبر پر آنے والے اُمیدواروں کو عہدۂ نظامت سپرد کر دیا گیا۔ اب لاہور ہائیکورٹ کے اس واضح اور دوٹوک فیصلہ کے بعد عملاً دینی مدارس کی اسناد کی قومی حیثیت کو بالکل بے وقعت کر دیا گیا ہے۔"[1]

افسوس ناک امر یہ ہے کہ دینی تعلیم کی ان اسناد کو علمی قابلیت کے لحاظ سے فروتر قرار دیا گیا، جبکہ ان کی علمی قابلیت کا اعتراف تو ۱۹۸۲ء کے نوٹیفکیشن میں ہو چکا تھا اور سیاست کے لئے یہی علمی اہلیت ہی درکار تھی، جس کو ملازمت کے تصورات سے خلط ملط کر کے ان اسناد کو بالکل بے وقعت قرار دے دیا گیا۔ یہ مشرف کی امریکہ نواز حکومت اور عالمی اداروں کی تائید سے چلنے والے HEC کی غلط تشریحات کا برا نتیجہ تھا۔

---

۱ مضمون 'تعلیم کے نام حکومتی جبر' از راقم: شائع شدہ ماہنامہ محدث لاہور: جنوری ۲۰۰۸ء، شمارہ نمبر ۳۱۷، ص ۴

تیسرا مرحلہ: وزیر اعظم نواز شریف کا تیسرا دورِ حکومت

مدارس کی اسناد کی منظوری کا تیسرا مرحلہ حالیہ سالوں میں پھر پیش آیا۔ جب مسلم لیگ ن کی حکومت میں وزیر مملکت (برائے وفاقی وزارتِ تعلیم وپیشہ وارانہ تربیت) انجینئر بلیغ الرحمٰن کے ساتھ اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دینیہ نے وفاق کی اسناد کو مؤثر کرنے کے لئے متعدد اجلاس کیے۔ ان اجلاسوں کے نتیجے میں اتحادِ تنظیمات اور حکومت کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس کو قومی اخبارات نے جولائی ۲۰۱۶ء میں یوں رپورٹ کیا:

"مدارس کے طلبا کو مختلف مراحل میں جدید سائنسی مضامین، انگلش اور مطالعہ پاکستان کے مضامین پڑھائے جائیں گے۔ اس کے بدلے میں حکومت ان طلبا کے امتحانات کے بعد انہیں سرکاری تعلیمی اداروں کی تعلیم کے مساوی تسلیم کرے گی۔ وہ حکومت کی تسلیم شدہ اسناد حاصل کر سکیں گے۔ مدارس کی تعلیم کو 'ایکٹ آف پارلیمنٹ' کے تحت تسلیم کیا جائے گا۔ ملک بھر کے ۳۵ ہزار سے زائد مدارس کے نصاب میں اصلاحات لائی جائیں گی۔ ۸ سالہ درس نظامی کورس میں تمام لازمی جدید علوم پڑھائے جائیں گے۔ اس حوالے سے تفصیل کے مطابق ثانویہ عامہ، ثانویہ خاصہ، شہادۃ عالیہ اور شہادۃ عالمیہ کو بالترتیب میٹرک، انٹر میڈیٹ، گریجویشن اور ماسٹر ڈگری کے برابر تسلیم کیا جائے گا۔ اسلام آباد سے نامہ نگار کے مطابق مدارس کے طلبا کو میٹرک، ایف اے، بی اے کے مساوی اسناد جاری کی جائیں گی۔ اتحاد تنظیمات مدارس کے رکن پانچوں بورڈز اپنے نظام تعلیم میں وفاقی بورڈ اور یونیورسٹی کے لازمی مضامین ہر سطح پر بتدریج شامل کریں گے۔

وفاقی وزارتِ تعلیم و پیشہ وارانہ تربیت کے کمیٹی روم میں وزیر مملکت انجینئر بلیغ الرحمٰن کے زیر صدارت اہم اجلاس ہوا جس میں اتحاد تنظیمات مدارس کے قائدین مفتی منیب الرحمٰن، مولانا قاری حنیف جالندھری، مولانا یاسین ظفر، ڈاکٹر عطاء الرحمٰن اور مولانا غلام باقر نجفی نے شرکت کی جبکہ حکومت کی جانب سے وفاقی سیکرٹری وفاقی وزارتِ تعلیم وپیشہ وارانہ تربیت ہمایوں، کو آرڈی نیٹر نیکٹا احسان غنی، ڈاکٹر اللہ بخش ملک ایڈیشنل سیکرٹری، ڈاکٹر اکرام علی ملک چیرمین وفاقی تعلیمی بورڈ، وزارتِ مذہبی امور کے ایڈیشنل سیکرٹری محمد خان کھچی، رضا چوہان ڈی جی HEC سمیت دیگر افراد شریک ہوئے۔ اجلاس میں پانچوں تنظیمات کے بورڈز کو قانونی شکل دینے کے بارے میں غور ہوا۔ وزیر مملکت نے کہا کہ اس سلسلے میں امتحانی بورڈز کے ڈھانچے کو پورا کرنا ہو گا، ان کی وزارت اور وہ ذاتی طور پر بورڈز کو قانونی شکل دینے کے بارے میں ضروری مراحل طے کرنے کے لیے مکمل تعاون کریں گے، اس میں غیر ضروری تاخیر نہیں کی جائے گی۔ اتفاقِ رائے سے طے پایا کہ اتحاد تنظیماتِ

مدارس کے رکن پانچوں بورڈز اپنے نظام تعلیم میں بورڈز اور یونیورسٹی کے لازمی مضامین کو ہر سطح پر بتدریج شامل کریں گے اور اس کے لئے وفاقی تعلیمی بورڈ کا نصاب اور نصابی کتب ہی رائج کی جائیں گی، اس طرح بی اے کی سطح پر مطالعہ پاکستان، انگریزی اور دو اختیاری مضامین کا امتحان دینا ہو گا۔ وزیر مملکت نے ہدایت کی کہ وفاقی وزارتِ تعلیم وپیشہ وارانہ تربیت کے زیر انتظام Tutorial تربیت اور پرچے مرتب کرنے اور جانچنے کے بارے میں جو تربیتی ورکشاپ منعقد کی جائیں گی، پانچوں تنظیمات کی نمائندگی ان کے حجم کے مطابق رکھی جائے گی۔ اجلاس میں طے پایا کہ شہادۃ العالمیہ کے معادلہ (Equivalence) کے لئے ایچ ای سی نے متوسطہ / مڈل کے لیے اسلامیات لازمی کی شرط عائد کی ہے، اسے ختم کرنے کی سفارش کی جائے گی۔ وفاقی وزارتِ تعلیم وپیشہ وارانہ تربیت اس سلسلے میں ایچ ای سی کو سفارش کرے گی۔ وزیر مملکت نے کہا کہ اتحادِ تنظیمات مدارس کے بورڈز کو قانونی درجہ دینے کے لئے بھی معاونت کریں گے۔"[1]

اس معاہدے میں تو بہت سے وعدے کئے گئے، جن میں بطورِ خاص مدارس کے وفاقات کو ایکٹ آف پارلیمنٹ کے تحت لاکر قانونی درجہ دینے کی بات ہے، اور تمام اسناد کی منظوری کا کہا گیا ہے، لیکن عملاً جب یہ معاملہ ایچ ای سی کے پاس آیا تو ایچ ای سی کی 'اسناد کو مساوی اور معتبر قرار دینے والی کمیٹی' (Equivalence and Accreditation Committee) نے اپنے چھٹے اجلاس منعقدہ ۲/فروری ۲۰۱۷ء میں اس کے بارے میں فیصلہ کیا، اور اس فیصلہ کو نوٹیفکیشن نمبر 8(61)/A&A/2017/HEC مجریہ ۱۳/اکتوبر ۲۰۱۷ء کی صورت میں یوں جاری کیا:

"موضوع: منظور شدہ دینی اداروں کی شہادہ عالیہ [بی اے] کا معادلہ

ا۔الشهادة العالية في العلوم العربية والإسلامية ایچ ای سی کی جانب سے بی اے (پاس) کے مساوی تسلیم کی جائے گی، اگر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی یا کسی بھی چارٹرڈ یونیورسٹی سے بی اے کی سطح کے انگریزی و مطالعہ پاکستان کے لازمی مضامین پاس کر لئے جائیں، بشرطیکہ آئی بی سی سی[2] شہادۃ ثانویہ عامہ و ثانویہ خاصہ کا معادلہ جاری کردے۔ اور آئی بی سی سی شہادۃ ثانویہ عامہ و ثانویہ خاصہ کا معادلہ اپنی سفارشات کے مطابق ہی جاری کرے گا۔

---

۱ روزنامہ نوائے وقت: ۱۴/جولائی ۲۰۱۶ء

۲ IBCC انٹر بورڈ چیرمین کمیٹی کا مخفف ہے، جو انٹر درجہ کے مختلف بورڈز کے چیئرمین حضرات پر مشتمل ایسا بورڈ ہے جو میٹرک اور ایف اے مرحلہ کی اسناد کے معادلہ (Equivalence) کی منظوری وغیرہ دیتا ہے۔

۲۔ متعلقہ وفاق اپنے طور پر (یعنی متوسط مساوی درجہ مڈل) طالب علم کو شہادہ ثانویہ عامہ میں داخل کریں گے، اور ایچ ای سی دینی اسناد کے حاملین سے مڈل سکول سرٹیفکیٹ طلب نہیں کرے گا۔

۳۔ اگر کوئی طالب علم کسی یونیورسٹی میں اسلامیات و عربی کے علاوہ کسی اور مضمون میں باضابطہ ماسٹرز کرنے کا خواہش مند ہو تو وہ (ایسے ایم اے میں) داخلہ کے لئے شہادہ عالیہ کے بعد لازمی مضامین (Compulsory Subjects) کے ساتھ، عربی اور اسلامیات کے ماسوا دو اختیاری مضامین (Elective Subjects) کا امتحان بھی پاس کرے گا۔"

تجزیہ

① اس نوٹیفکیشن میں نکتہ نمبر ۲ کے تحت ایم اے کے معادلہ (Equivalence) کے لئے مشرف دور میں مڈل کی سند پیش کرنے کی شرط ختم کرنے کی بات کی گئی ہے، حالانکہ اس کے خاتمے کی وجہ یہ ہے کہ مڈل کے امتحان کا ایسا کوئی مستند سرکاری نظام تاحال موجود نہیں جس کی پابندی ہر مڈل کرنے والے طالب علم پر ضروری ہو، بلکہ پرائیویٹ سطح پر بھی مڈل کا امتحان دیا جاسکتا ہے۔ نیز میٹرک کے پرائیویٹ امتحان کے لیے مڈل سرٹیفکیٹ کا مطالبہ ہی نہیں کیا جاتا، یعنی مروّجہ قومی نظام تعلیم میں بھی میٹرک کی سند کے حصول کے لئے مڈل پاس کرنا ضروری نہیں ہے۔

② نکتہ نمبر ۳ کے تحت وفاق ہائے مدارس کی عالیہ کی سند پر کسی اور مضمون میں باضابطہ ایم اے میں داخلہ کے لئے درج ذیل مضامین کو پاس کرنا ضروری ہو گا:

a. عربی و اسلامیات کے علاوہ کوئی سے دو اختیاری مضامین

b. لازمی مضامین: یعنی انگریزی لازمی، مطالعہ پاکستان لازمی، اسلامیات لازمی

c. متعلقہ ایم اے میں داخلہ کے لئے بی اے سطح کا لازمی مضمون

نوٹیفکیشن کے نکتہ نمبر ۳ میں صرف لازمی مضامین (in addition to Compulsory Subjects) کا جملہ درج ہے۔ اور اس کی کم از کم مراد انگریزی لازمی اور مطالعہ پاکستان لازمی ہیں، جیسا کہ اسی نوٹیفکیشن کے نکتہ نمبر ۱ میں اور لاہور ہائیکورٹ اپنے فیصلہ ۲۰۰۸ء میں قرار دے چکی ہے۔ اس طرح کل چار مضامین کا سرکاری امتحان ضروری ہوا۔ اور اگر بی اے کی سطح کے لازمی مضامین کو مطلق طور پر دیکھا جائے تو ۵۰ نمبر کی اسلامیات بھی لازمی ہے، جیسا کہ ۲۰۰۵ء کے HEC نوٹیفکیشن میں اسے بھی لازمی مضامین میں شمار کیا گیا ہے۔ اور اگر یونیورسٹیوں میں جاری پریکٹس کو دیکھا جائے تو کسی بھی مضمون کے ایم اے میں داخلہ حاصل کر کے ریگولر پڑھنے کے لئے اس مضمون میں بی اے کی سطح کا مضمون پڑھنا بھی لازمی سمجھا جاتا ہے۔

اس بنا پر لازمی مضامین کے لفظ کو کم از کم دو یا زیادہ سے زیاد چار لازمی مضامین + دو اختیاری مضامین (یعنی کل چھ مضامین) تک وسیع کیا جاسکتا ہے۔

یاد رہے کہ عام بی اے میں کل تین مضامین ۲۰۰+۲۰۰+۲۰۰ نمبرز (جن میں ایک ۲۰۰ نمبر کی انگریزی لازمی ہونی چاہیے) اور اسلامیات لازمی / مطالعہ پاکستان لازمی کے ۵۰+۵۰ نمبر اور ایک آپشنل پرچہ ۱۰۰ نمبرز کے کل چھ مضامین ہی شامل ہوتے ہیں اور اس کے کل نمبر ۸۰۰ ہوتے ہیں۔ نکتہ نمبر ۳ میں مذکور لازمی مضامین کے ہر دو پہلو (دو یا چار مضامین) کو دیکھا جائے تو یہ امر افسوسناک اور غور طلب ہے کہ مدارس کی آٹھ سالہ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کو بی اے میں آخر کیا حیثیت اور وزن دیا گیا ہے؟

نکتہ نمبر ۳ میں دی جانے والی یہ سہولت دراصل سابقہ ۱۹۸۲ء اور ۲۰۰۵ء کے نوٹی فکیشنز میں مذکور اسی نظام کا دوسرا پہلو ہے جس میں کہا گیا تھا کہ اگر وفاقہائے مدارس کی عالیہ کی سند کو تدریس کے علاوہ دیگر میدانوں میں ملازمت کے لئے معتبر قرار دینا ہو تو بی اے سطح کے تین مضامین (دو اختیاری اور ایک ۱۰۰ نمبر کے اسلامیات / مطالعہ پاکستان) پاس کئے جائیں۔ تاہم اب اس میں ایم اے ریگولر میں داخلہ کے لئے مزید لازمی مضمون (انگریزی لازمی) اور متعلقہ ایم اے کے لازمی مضامین کا بھی اضافہ کر کے، اسے چار سے چھ مضامین تک وسیع کر دیا گیا ہے۔

③ جہاں تک اس نوٹیفکیشن میں مدارس کی شہادۃ عالیہ (بی اے) کی منظوری کا تعلق ہے تو ایک طرف

a. اس نظام میں ۲۰۰۵ء والا HEC کا نظام ہی پختہ کیا گیا ہے کہ پچھلی اسناد: شہادۃ ثانویہ عامہ اور ثانویہ خاصہ کو بھی پیش کیا جائے۔

b. اور جب یہ ثانویہ اسناد آئی بی سی سی سے، ان کے داخلی نظام کے مطابق معادلہ حاصل کر لیں گی، تب ہی شہادہ عالیہ پر بی اے کی سند جاری کی جائے گی۔ گویا بی اے کی یہ سند شہادہ عامہ وخاصہ کے انٹر بورڈ کے معادلے سے بھی مشروط ہے۔

c. اور اس بی اے کی سند کے حصول کے لئے وفاق کی شہادہ عالیہ پر بی اے درجہ کی انگریزی اور مطالعہ پاکستان کے دو لازمی مضامین کا کسی بھی سرکاری یونیورسٹی سے امتحان پاس کرنا ضروری ہے۔

اس نوٹیفکیشن کا موضوع منظور شدہ دینی اداروں کی شہادۃ عالیہ کی منظوری ہے، تاہم اس میں شہادۃ عالیہ کے حصول کے لئے جو طریقہ کار پیش کیا گیا ہے، وہ اس قدر طویل اور پیچیدہ ہے کہ اس میں انگریزی لازمی کا اصل امتحان بھی باقی رہا اور یہ میٹرک اور ایف اے کی معادلہ کی اسناد سے بھی مشروط ہے۔ ظاہر ہے کہ بورڈز کی کمیٹی بھی شہادۃ ثانویہ عامہ اور خاصہ کا معادلہ جاری کرنے کے لئے اپنے لازمی مضامین ضرور شامل کرے گی۔ اس بنا پر یہ طویل اور پیچیدہ نظام کسی خاطر خواہ سہولت کی بجائے، ماضی کے دونوں نوٹی فکیشنز میں کوئی رعایت نہیں

دیتا، بلکہ اس طریقہ کار کے مطابق بی اے کی سند کا حصول ماضی کی بہ نسبت مشکل تر ہو گیا ہے اور اس کو تسلیم کر کے جاری کر دیا جائے تو سابقہ آسان نظام سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

کیونکہ ۱۹۸۲ء میں جاری ہونے والے پہلے نوٹیفکیشن کے مطابق وفاق کی شہادۃ عالمیہ کی بنا پر تین مضامین (انگریزی کو چھوڑ کر) کے امتحان سے بی اے کی کسی سرکاری یونیورسٹی کی سند حاصل کی جاسکتی ہے، جس کے بعد بی اے کی سند بھی معتبر ہوتی اور ایم اے بھی تمام مقاصد کے لئے معتبر و مستند ہو جاتا۔ جب بی اے کی ایسی کوئی سند مل گئی تو اس کی بنا پر اب سیاست و ملازمت کے کسی میدان میں جانا بھی ممکن ٹھہرا۔ اور اس کے لئے میٹرک اور ایف اے کی معادلہ شدہ اسناد کی شرط بھی نہیں تھی۔ سابقہ بی اے کی سند کا یہ نظام حالیہ طریقہ کار کی بہ نسبت بہت آسان، جامع اور مفید ہے۔

ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ اب اس نئے نظام کی بنا پر سابقہ آسان تر نظام پر کوئی پابندی نہ لگا دی جائے۔ بعض اوقات سرکاری یونیورسٹیاں اس سابقہ نظام پر بلاوجہ الجھن ڈال دیتی ہیں جس کی پریکٹس ماضی میں بخوبی جاری رہی ہے۔ یونیورسٹیوں کے ایسے اقدام کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ان پر اس سابقہ نظام کو جاری رکھنے کا دباؤ ڈالنا چاہیے جبکہ اُصولاً دونوں ہی نظام جاری ہیں، کیونکہ سابقہ نوٹیفکیشن ایم اے کی سند اور اس کی بنیاد پر بی اے کے حصول کا تھا، اور حالیہ نوٹیفکیشن بی اے کی سند کے بارے میں مخصوص ہے یا ایم اے میں داخلہ کا طریقہ کار ہے۔ سو دونوں نوٹیفکیشن کا موضوع علیحدہ ہونے کی بنا پر فی الوقت دونوں ہی جاری و ساری ہیں اور دونوں کو جاری رہنا بھی چاہیے۔[1]

اس نوٹیفکیشن کے بارے میں اخبارات میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس کے ذریعے "ایچ ای سی نے وفاق کی شہادہ عالیہ کو بی اے کے مساوی تسلیم کر لیا۔" چنانچہ روزنامہ 'نوائے وقت' کی خبر ہے:

> "مدارس کے طلبہ و طالبات پر یونیورسٹیز کے دروازے کھل گئے۔ ہائیر ایجوکیشن کمیشن نے مدارس کی شہادۃ العالیہ کی سند کو گریجویشن کی ڈگری کے مساوی تسلیم کر لیا۔ شہادۃ العالیہ کی سند کے حامل طلبہ و طالبات سرکاری جامعات کے لئے بھی اہل ہوں گے۔ اعلامیہ جاری کر دیا گیا ہے۔ کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ ڈگری کے ساتھ انگلش اور مطالعہ پاکستان کو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی یا کسی دوسری یونیورسٹی سے پاس کرنا ہو گا۔ اس طرح مدارس کے ایسے طلبہ و طالبات جن کے پاس شہادت العالیہ کی سند ہو گی، ضروری تقاضے پورے کرنے پر یونیورسٹیز میں داخلے لے سکیں گے۔ ثانویہ عامہ، ثانویہ

---

۱ کل چار طرح کے قوانین ہوئے: پہلا: شہادۃ عالیہ کا معادلہ ۱۹۸۲ء، دوسرا: شہادۃ عالیہ کو جامع کرنے کا طریقہ ۱۹۸۲ء، تیسرا: شہادۃ عالیہ کا معادلہ ۲۰۱۷ء، چوتھا: ریگولر ایم اے میں داخلہ کا طریقہ ۲۰۱۷ء اور چاروں قوانین ہی فی الوقت جاری و ساری ہیں۔

خاصہ کی اسناد انٹر بورڈ کمیٹی دے گی۔"[1]

اسی سے ملتی جلتی خبر وفاق المدارس العربیہ، ملتان کے میڈیا سنٹر نے ۱۵/ اکتوبر کو جاری کی، جس کی رو سے

"مولانا محمد حنیف جالندھری اور اتحادِ تنظیمات مدارس کے دیگر قائدین کی کوششوں سے مدارس کی درجہ عالیہ کی سند کو بی اے کے مساوی تسلیم کر لیا گیا۔ صرف دو لازمی مضامین کا امتحان پاس کرنا ہو گا۔ حکومتی ذمہ داران کی طرف سے دینی مدارس کے فضلا سے امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا۔ اس سے قبل دینی مدارس کے فضلا کی صرف عالمیہ کی سند کو ایم اے عربی اور اسلامیات کے مساوی تسلیم کیا جاتا تھا، لیکن عالیہ کی سند کی سرکاری طور پر کوئی حیثیت نہیں تھی جس پر برسوں سے کوشش جاری تھی۔ اس ریلیف کی اطلاع پر ملک بھر کے دینی مدارس کے فضلا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور ان کی دیرینہ مشکلات میں کمی کی جانب واضح پیش رفت ہوئی۔"

اوپر ہم اصل نوٹیفکیشن اور سابقہ صورت حال کے تقابل و تجزیے کے بعد بخوبی واضح کر چکے ہیں کہ حالیہ نوٹیفکیشن کا تاثر تو بہتر ہے، لیکن عملاً اس میں کسی سمت کوئی پیش قدمی نہیں ہو سکی، بلکہ نکتہ نمبر ۳ میں ایم اے میں داخلہ کے لئے مزید دو مضامین کا بوجھ طالب علم پر ڈال دیا گیا ہے۔ نیز حالیہ طریقے میں ابھی انٹر بورڈ کی طرف سے دو اسناد کی منظوری بھی باقی ہے جبکہ یہ انٹر بورڈ کمیٹی، میٹرک کی سند جاری کرنے کے لئے از خود مڈل سرٹیفکیٹ کو لازمی قرار دے دے، تو پھر نکتہ نمبر ۲ کی گنجائش بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہائر ایجوکیشن کمیشن HEC، انٹر بورڈ چیئرمین کمیٹی IBCC کے مستقل سرکاری ادارے کے طے شدہ طریقہ کار میں اُصولی تبدیلی کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ اور انٹر بورڈز اپنے ضوابط خود وضع کرتا اور ان کی پابندی کراتا ہے۔ الغرض نکتہ نمبر ا میں شہادۃ عالیہ کو دی جانے والی منظوری کا طریقہ کار اس قدر پیچیدہ اور طول طویل ہے جس کے مقابلے میں ۱۹۸۲ء سے موجود بی اے کا طریقہ کار ہی کافی سہل اور قابل عمل ہے۔

مزید مشکلات میں اضافہ

مزید برآں HEC کی طرف سے شہادہ عالیہ یعنی بی اے کا یہ حالیہ جامع نظام رہدایت نامہ آجانے کے بعد اب وفاق المدارس کے تحت شہادۃ عالمیہ کی سند حاصل کرنے کے لئے ماضی کے برعکس اسی نئی HEC کی منظور شدہ شہادہ عالیہ کو حاصل کرنا ہی ضروری ہو گا۔ اگر کسی موقع پر HEC کا کوئی افسر، ایم اے کے معادلہ کی منظوری کے لئے اس نوٹیفکیشن ۲۰۱۷ء کے تحت ہونے والی شہادہ عالیہ کو ہی طلب کر لیتا ہے، تو پھر وفاق ہائے

ا روزنامہ نوائے وقت: ۱۴/ اکتوبر ۲۰۱۷ء

مدارس کا پورا نظامِ امتحان ہی خدانخواستہ زمین بوس ہو سکتا ہے۔ افسر شاہی اور HEC کے سابقہ تیور دیکھتے ہوئے یہ امکان بعید نہیں اور مختلف قوانین کو ایک دوسرے کی تشریح کرتے ہوئے سمجھنا ایک عام رویہ ہے۔

جب حکومت اور تنظیماتِ مدارس دینیہ کے مابین حالیہ معاہدہ اور اس کے بعد HEC کا نوٹیفکیشن (اکتوبر ۲۰۱۷ء) آیا تو اسی موقع پر والدِ گرامی مدیر اعلیٰ 'محدث' مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی حفظہ اللہ نے وفاق ہائے مدارس کے ذمہ داران کو متوجہ کیا کہ اس طرح کسی مثبت پیش قدمی کی بجائے دراصل HEC نے مدارس کی سابقہ ایم اے سند کی منظوری ۱۹۸۲ء کو بھی منظور شدہ بی اے سے مشروط کر دینا ہے اور یہ کسی کامیابی کی بجائے ناکامی اور مزید رکاوٹوں کا اضافہ بنے گا، لیکن اس موقع پر ان کی تنبیہ پر خاطر خواہ اقدام نہ کیا گیا اور ذمہ دارانِ وفاق کامیابی اور خوشخبری بانٹتے رہے۔ ابھی یہ خوشی پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ وہی ہو گیا جس کا اندیشہ تھا، چنانچہ وفاق المدارس العربیہ کے میڈیا سنٹر، اسلام آباد نے ۳۱؍ جنوری ۲۰۱۸ء کو اپنا پریس ریلیز یوں جاری کیا:

"۱۔ پنجاب حکومت کی طرف سے تمام مکاتب فکر کے دینی مدارس کی اسناد کو مسترد کرنے کا طرز عمل افسوس ناک ہے۔ ۲۔ مدارس کے فضلا کے ساتھ امتیازی سلوک بند کیا جائے۔

۳۔ عربی ٹیچرز کی اسناد کے ساتھ بی اے کی اضافی شرط غیر ضروری، ملکی قوانین کی خلاف ورزی اور طے شدہ معاہدوں سے انحراف ہے۔

۴۔ آرٹس ٹیچرز کے لیے شہادۃ العالمیہ کو قبول نہ کرنا مدارس کے فضلا کی حق تلفی اور قوم کے ہزاروں بچوں کو مین اسٹریم میں آنے سے روکنے اور احساسِ محرومی کو اُجاگر کرنے کے مترادف ہے، جبکہ اس پالیسی کے تحت آرٹس ٹیچرز کی اسامیوں کے لیے یونیورسٹی و کالج سے پاس شدہ ایم۔اے اسلامیات حضرات کو اہل قرار دیا گیا ہے۔"

ان خیالات کا اظہار وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے جنرل سیکرٹری مولانا محمد حنیف جالندھری نے اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ پنجاب حکومت کی طرف سے حالیہ دنوں میں ایجوکیٹرز کی بھرتی کا سلسلہ شروع ہوا۔ تمام مکاتبِ فکر کے مدارس کے فضلا اور شہادۃ العالمیہ کے جملہ حاملین اس ناانصافی کا شکار ہوئے ہیں۔ مولانا محمد حنیف جالندھری نے کہ اس صورتحال پر ہم نے اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کی قیادت سے مشاورت کی، مشترکہ لائحہ عمل کے تحت کئی اقدامات اُٹھانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں پنجاب حکومت کے محکمہ تعلیم کے ذمہ داران سے بات ہوئی تو اندازہ ہوا کہ آرٹس ٹیچرز کے لیے جہاں یونیورسٹی اور کالج سے پاس شدہ ایم اے اسلامیات قابل قبول ہے، وہیں شہادۃ العالمیہ جو ایچ ای سی کے نوٹیفکیشن کے مطابق ایم اے اسلامیات کے مساوی ہے، کو

تسلیم نہیں کیا جارہا، جو ہمارے لیے باعثِ تشویش ہے۔ مولانا جالندھری نے کہا کہ دینی مدارس کے فضلا آرٹس کے دیگر مضامین بھی پڑھانے کی اہلیت رکھتے ہیں، انہیں صرف اسلامیات ہی نہیں دیگر مضامین کی تدریس کے مواقع بھی مہیا کیے جانے چاہئیں اور باقی امیدواروں کے ساتھ دینی مدارس کے فضلا کو بھی میدان میں اُترنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔ مولانا محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ حکومتی بدنیتی اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ عربی ٹیچرز کے لیے بی اے کی اضافی شرط عائد کردی گئی جبکہ ایچ ای سی نے کسی قسم کی اضافی شرط کے بغیر دینی مدارس کی ڈگری کو تسلیم کر رکھا ہے۔ مولانا محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ پنجاب کی حکومت سے ہمارے چار اصولی مطالبات ہیں: (۱) عربی ٹیچرز کے لیے بی اے کی شرط فی الفور ختم کی جائے، (۲) تمام وفاقوں کے فضلا سے امتیازی سلوک بند کیا جائے، (۳) پہلے کی طرح اسلامیات ٹیچرز کی آسامیوں کا الگ سے اعلان کیا جائے اور حیلے بہانوں سے اسلامیات ٹیچرز کے طور پر مدارس کے فضلا کی بھرتیاں بند نہ کی جائیں اور نمبر (۴) یہ کہ آرٹس ٹیچرز کے طور پر بھی دینی مدارس کے فضلا کو درخواستیں، اسناد اور خدمات پیش کرنے اور دیگر امیدواروں کی طرح مقابلے میں حصہ لینے کا موقع فراہم کیا جائے۔"

ایسا ہی پریس ریلیز اور شکوہ وفاق المدارس السّلفیہ کے ذمہ داران نے بھی کیا، جو مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہوچکا ہے۔ اس نئی اُفتاد کی وجہ وہی ہے کہ وفاق ہائے مدارس کے ذمہ داران بیوروکریسی کے طریق کار اور قانونی پیچیدگیوں سے قطع نظر، مختلف نئے معاہدوں میں اپنے آپ کو اُلجھاتے جارہے ہیں اور بظاہر پیش قدمی کے نام پر، ماضی میں حاصل کردہ کامیابیوں سے بھی اپنے ہاتھوں دستبردار ہوتے جارہے ہیں۔

وفاق ہائے مدارس کو فوری طور پر اس امر کی ضرورت ہے کہ ایک طرف نئے منظور شدہ بی اے کو سابقہ ایم اے کے نوٹیفکیشن سے واضح طور پر علیحدہ کرنے کا حتمی فیصلہ کرائے کیونکہ پیچھے بیان کردہ سرکاری نوٹیفکیشن دراصل علیحدہ علیحدہ اسناد کے نظام کی بات کرتے ہیں: ۱۹۸۲ء والا نوٹیفکیشن ایم اے کی سند کے بارے میں ہے اور ۲۰۱۷ء والا نوٹیفکیشن بی اے کی سند کے بارے میں ہے جیسا کہ ان کے عنوانات سے بھی ظاہر ہے، اور دونوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے تو پھر عملاً وفاقات کا سارا نظام زمین بوس ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے میں اس کوتاہی کو نکھارا جائے کہ جج حضرات نے معادلہ اور قومی نظام تعلیم کے جدا تصورات کے نظر انداز کرکے سرکاری یونیورسٹی سے ہونے والا آسان بی اے کا نظام معطل کر رکھا ہے۔ اس کے لئے عدالتوں سے مزید ایسے فیصلے حاصل کئے جائیں، جو سابقہ غلطی کا ازالہ کرتے ہوں۔

پس چہ باید کرد؟

جو معاہدہ وفاقی وزارتِ تعلیم اور مدارس تنظیمات کے مابین کیا گیا تھا، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے HEC نے مدارس کو کوئی کامیابی نہیں دی بلکہ مزید رسمی تقاضوں میں اُلجھا کر امکانات کو محدود کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں اہم اور بڑی کامیابی جنرل محمد ضیاء الحق کے دور ہی میں حاصل ہوئی تھی، اور آج تک اس پر رکاوٹوں کا ہی اضافہ ہوا ہے۔ اب شہادہ عالیہ کے معادلہ پر اتنی شرائط کو متعین کر کے گویا پہلے سے موجود آسان طریقہ کار پر بھی مزید پابندیاں اور رکاوٹیں قائم کر دی گئی ہیں۔ اور اب اس کو عملاً ختم کرنے پر ہی زور دیا جا رہا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ وفاقی حکومت سے ہونے والے معاہدے کو آگے بڑھاتے ہوئے مدارس کے بورڈز کو براہِ راست قانون سازی کے ذریعے پارلیمنٹ سے منظور کرانے کا بل پیش کیا جائے اور موجودہ حکومت، جس کی وفاقی وزارت تعلیم نے اس کا معاہدہ کیا ہے، اس کو منظور کرانے کی جدوجہد کرے۔ یہی درست راستہ ہے، وگرنہ HEC جیسے ادارے رسمی تقاضوں کے پیش نظر قومی ضروریات کو نظر انداز کرتے ہی رہیں گے۔

اگر اس سمت کامیاب پیش قدمی ہو جاتی ہے تو اس طرح معاشرے میں دینی و دنیاوی طبقات کی تفریق پر ضرب کاری لگے گی، اور قومی یک جہتی کی مضبوط بنیاد پڑے گی، یہ قیام پاکستان کے مقاصد کی طرف اہم پیش قدمی سمجھی جائے گی۔ جیسا کہ شروع میں ذکر ہو چکا ہے کہ اصولی طور پر مدارس کو قومی تعمیر میں کردار ادا کرنے میں کوئی نظریاتی رکاوٹ نہیں، اور تمام مدارس کا اسناد کی منظوری کا متفقہ مطالبہ اسی کا غماز ہے اور مدارس/ حکومت کا حالیہ معاہدہ بھی مدارسِ دینیہ میں جدید علوم کی تدریس کے وعدہ کی یاددہانی کراتا ہے۔ اب ضرورت ہے تو حکومت کو اپنا فرض پورا کرنے کی کہ وہ اسلامی علوم کی تدریس کو قبولیت دینے اور ان کو معاشرے کی تعمیر میں مناسب کردار دینے کے فریضہ کو پورا کرتے ہیں یا ابھی تک انگریز استعمار کے ڈھب پر ہی دین و دنیا اور ان کی تعلیم و اداروں کو بانٹ کر اور اس کے نتیجے میں پاکستانی معاشرے کو تقسیم کر کے رکھنا چاہتے ہیں۔

ان سطور کی تحریر کے دوران ہی 'اتحاد تنظیمات مدارس کی مربوط حکمتِ عملی' (۱۵/ جنوری ۲۰۱۸ء) بھی سامنے آئی ہے جس کے متن کو آخر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس پر بھی پانچوں وفاقات کے ذمہ داران کے دستخط ثبت ہیں۔ اس حکمتِ عملی میں وفاقوں کو باقاعدہ پارلیمنٹ سے منظور کرانے کا نکتہ تو قابل قدر ہے، لیکن اس کے ساتھ نکتہ نمبر ۶، ۷ میں دوبارہ میٹرک اور انٹر میڈیٹ کی سطح پر چار تا پانچ مزید بھاری بھر کم مضامین کو شامل کرنے کی متفقہ تجویز پیش کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح میٹرک اور ایف اے کے مرحلے میں دینی طالب علم کے علوم اسلامیہ کے بھاری بھر کم نصاب کو بالکل کوئی حیثیت نہیں دی جا رہی، اور بی اے کے امتحان میں بھی انگریزی کی ادبی قابلیت کو لازمی کر دیا گیا ہے جو عدالتی فیصلے کی ہی بازگشت ہے۔ ہماری گذارش ہے کہ ذمہ

دارانِ وفاقات کو گہرے غور وخوض سے پہلے ایک صحیح اور مبنی بر انصاف موقف کا تعین کرنا چاہیے، مدارس دینیہ سے مشاورت کر کے ان کو جائز حق دلوانے کی پرزور جدوجہد کرنی چاہیے۔ وگرنہ اس 'مربوط حکمت عملی' کی منظوری مدارسِ دینیہ کے ثانویہ عامہ اور خاصہ کے رہے سہے امتحانات کا بھی بوریا بستر لپیٹ دے گی۔

وفاقہائے مدارس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کو ماضی میں بھی کامیابی معادلہ Equivalence کے تصور سے ہی ملی تھی اور تینوں نوٹیفکیشن معادلہ کی ہی بات کرتے ہیں۔ مستقبل میں بھی یہی متوازی نظام ہی ان کی طاقت اور مقصد ہے اور یہی اسلام اور ہماری قدیمی روایات کا تقاضا ہے جس کی بہترین میسّر مثال برادر اسلامی ملک سعودی عرب میں زیر عمل ہے۔ پاکستان ایسی نظریاتی ریاست کے پورے قومی نظام تعلیم کی منزل ایسا ہی اسلام پر قائم نظام تعلیم ہے جو دین و دنیا کا جامع ہو۔ اگر غیر مشروط طور پر موجودہ سیکولر نظام تعلیم کا ہی حصہ بن جایا جائے تو ایک طرف حکومت کو سکول و کالج کی طرح اس کے سارے تعلیمی اخراجات برداشت کرنا ہوں گے اور دوسری طرف مدارسِ دینیہ کی صدیوں پر محیط کوششوں کا انجام اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور سے مختلف نہ ہو گا۔

انگریزی زبان کی تعلیم

جب ڈیڑھ صدی قبل انگریز استعمار نے برصغیر میں نیا نظام تعلیم متعارف کرایا تو دین بیزاری (سیکولرزم) کے ساتھ ساتھ اس میں، حاکمانہ برتری کے اظہار کے لئے انگریزی زبان کو بھی لازمی قرار دیا جس کا مقصد یہ تھا کہ تعلیمی صلاحیت کا کوئی دعویٰ انگریزی کی مہارت کے بغیر ناقابل قبول ہے۔ جبکہ یہ امر ظاہر ہے کہ کوئی زبان بھی تعلیمی ترقی کی دلیل نہیں ہوتی، بلکہ علم زبانوں سے ماورا افکار و نظریات کو جاننے اور انہیں استعمال کرنے کی صلاحیت کا نام ہے۔ اور انسان جس طرح اپنی مادری زبان میں علم کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے، کسی دوسری زبان میں اس کی یہ صلاحیت توجہ بٹنے کی بنا پر لازماً متاثر ہوتی ہے۔

اسی طرح انگریزی زبان کو جدید علم کے طور پر بھی متعارف کروایا جاتا ہے، جبکہ نری زبان کوئی علم نہیں ہوتی۔ اگر مدارس میں معاشرتی یا جدید علوم متعارف کرانے ہوں تو اسلامی اساسات پر قائم سیاسیات و معاشیات اور سائنس جیسے مضامین کی بات ہونی چاہیے جبکہ استعمار کے متعارف کردہ نظام تعلیم میں جدید علوم کا مصداق صرف انگریزی زبان کو قرار دے دیا گیا ہے اور اس کی معیاری اہلیت ہی بی اے کی معتبر قابلیت قرار پائی ہے۔

یہاں یہ مفروضہ پروان چڑھایا گیا کہ انگریزی سائنس اور ترقی کی زبان ہے اور اس کے بغیر ترقی نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ اوّل تو اُردو زبان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ہر طرح کے افکار و نظریات کو سمو سکے، بیان کر سکے۔ بالخصوص اُردو زبان کی دیگر زبانوں سے ہم آہنگی کی صلاحیت غیر معمولی ہے۔

ثانیاً: سائنسی ترقی کے لئے دنیا کی ترقی یافتہ قوموں نے اپنی مادری زبان کو اختیار کیا ہے، چنانچہ فرانسیسی،

جرمنی، جاپانی، چینی اور روسی اقوام کی ترقی انگریزی زبان کی مرہونِ منت نہیں ہے۔

ثالثاً: اگر سائنس و ٹیکنالوجی میں دنیا کی موجودہ ترقی کو سیکھنا ہو، یا عالمی تجارت میں پیش قدمی کرنا ہو تو یہ سب پاکستانیوں کی مجبوری نہیں ہے۔ بلکہ اس مقصد کے لئے متعلقہ ماہرین کو سائنسی ترقی کی کوئی ایک زبان کو ضرور سیکھ لینا چاہیے، اور عالمی تجارت جس ملک سے درپیش ہو، اس ملک کی زبان کو بھی متعلقہ تاجروں کو جاننا چاہیے۔ جبکہ پوری قوم کو کسی حاکم قوم کی زبان سیکھنے کے بخار میں مبتلا کر کے، خواندگی کی سطح کو متاثر کرنا کوئی عقل مندی نہیں ہے۔ اس مقصد کے لئے جنرل سائنس، جنرل ریاضی، جغرافیہ کی سطح پر اردو زبان میں ہی تعلیم کو متعارف کرانا چاہیے۔

پاکستان بننے کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حاکمیت (ولایت) کی علامت انگریزی زبان سے پیچھا چھڑایا[1] جاتا اور قومی تعلیمی نظریہ میں اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کی لازمی تعلیم پر ہی اکتفا کیا جاتا اور جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں قائم کردہ 'اُردو سائنس بورڈ'[2] وغیرہ جیسے سرکاری اداروں کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اردو زبان میں سائنسی تعلیم کو فروغ دیا جاتا۔ لیکن افسوس کہ آئین پاکستان کے برخلاف[3] پورے تعلیمی نظام میں انگریزی کی حاکمیت کو اس طرح مسلط کر دیا گیا ہے کہ کسی بھی تعلیمی مرحلہ میں اصل قابلیت یہی انگریزی زبان ہی بن گئی۔ دینی مدارس کی اسناد میں بھی یہی انگریزی زبان ہی اہلیت کی اصل رکاوٹ ہے۔ اور میٹرک، ایف اے، بی اے کی سطح پر اس کی وجہ سے بے شمار طلبہ اگلے تعلیمی مرحلہ میں پیش قدمی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اب بھی HEC کے آخری نوٹیفکیشن میں شہادہ عالیہ کی بطور بی اے منظوری میں اصل رکاوٹ انگریزی زبان کی ڈگری (صرف انگریزی زبان نہیں بلکہ بی اے درجہ کی اعلیٰ ادبی مہارت) ہے، جو ہر جگہ تعلیم کا معیار سمجھی جاتی ہے۔ جبکہ اس کی بدولت ہمارے بے شمار قابل افراد قومی دھارے میں شرکت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ نیز یہ کہ دینی علوم کے ماہرین کے لئے انگریزی زبان کی اعلیٰ مہارت کوئی لازمی امر نہیں، اُنہوں نے کونسے سائنسی

---

۱ ایران کے قومی ادارے 'ہائی ایجوکیشن کونسل' کے سربراہ مہدی نوید ادھام نے سرکاری ٹی وی پر بتایا کہ سرکاری اور غیر سرکاری سکولوں کے نصاب میں انگریزی پڑھانا قاعدے اور قانون کی خلاف ورزی ہے۔ ملک کے پرائمری سکولوں میں انگریزی زبان پڑھانے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ ایران کے رہبر اعلیٰ آیت اللہ علی خامنہ ای نے اساتذہ سے خطاب کے دوران کہا کہ "اس کا مطلب غیر ملکی زبانوں کو سیکھنے کی مخالفت کرنا نہیں بلکہ غیر ملکی ثقافت کو ملک کے بچوں، نوجوانوں اور نوجوان نسل میں فروغ دینے کی مخالفت کرنا ہے۔" (مؤرخہ: ۸ جنوری ۲۰۱۸ء http://www.bbc.com/urdu/world-42596753)

۲ یہ ادارہ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں 'مرکزی اردو بورڈ برائے ترقی اردو' سے سائنسی کتب کے تراجم کے لئے تشکیل پایا۔

۳ دستور پاکستان کے آرٹیکل ۲۵۱ کا متن: (۱) "پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے اور یوم آغاز [یعنی ۱۹۷۳ء] سے پندرہ برس کے اندر اندر اس کو سرکاری و دیگر اغراض کے لئے استعمال کرنے کے انتظامات کئے جائیں گے۔" عرصہ ہوا کہ ۱۵ برس پورے ہو چکے۔

میدان میں ترقی اور دریافتیں کرنا ہوتی ہیں۔ تاہم اگر انہیں کسی ایجاد کی شرعی حیثیت کے بارے میں رہنمائی کرنا پڑے تو وہ اپنے مسلمان سائنسی ماہرین کے تعاون سے ایسا بخوبی کر سکتے ہیں۔

جہاں تک مدارس میں عربی زبان کی تعلیم کی بات ہے تو اُصولاً تعلیم کو مادری (اُردو) زبان میں ہی ہونا چاہیے لیکن چونکہ قرآن و حدیث اور ائمہ کرام کی سب تحقیقات عربی زبان میں ہیں، اس لیے مسلمانوں اور علوم اسلامیہ کے ماہرین کے لئے عربی زبان کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے:

اوّل: عربی زبان کسی محکومیت کی یادگار نہیں بلکہ قرآن کریم اور ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ کی زبان ہے اور ان سے محبت کرنے والے مسلمان ان کی زبان بلکہ ہر ہر اَدا سے محبت کرتے ہیں۔

ثانیاً: ہر مسلمان کیلئے عربی زبان میں عبادات اور اللہ کے کلام کو سمجھنے کے لئے بنیادی اہلیت ہونا ضروری ہے۔

ثالثاً: عربی اور اردو زبان میں یکساں رسم الخط کے ساتھ ذخیرہ الفاظ میں بھی ۷۰ فیصد تک اشتراک پایا جاتا ہے۔

رابعاً: مدارس میں بھی عربی زبان کو اسی حد تک پڑھا جاتا ہے جو قرآن و حدیث کی تفہیم کے لئے ضروری ہے، نہ کہ عربی ادب وانشا اور عربی بول چال یا بلاوجہ عربی زبان کی کتب کا بوجھ طلبہ پر مسلط کر دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ مسلّمہ تعلیمی نظریہ ہے کہ مادری زبان میں ہی انسان کے لئے علم کو سیکھنا آسان اور تیز تر ہوتا ہے۔

جہاں تک فارسی زبان کی بات ہے، تو عرصہ ہوا کہ مدارس میں یہ زبان متروک ہوتی جارہی ہے، اور اس کی جگہ اُردو کتب نے لے لی ہوئی ہے۔

دینی نظامِ تعلیم اور وفاق کی اسناد میں مزید کیا حاصل کرنا باقی ہے؟

اُصولاً تو ملک بھر میں نظامِ تعلیم کو سیکولرزم کے دو دھاروں کی بجائے ایک وحدانی نظامِ تعلیم کی صورت میں چلنا چاہیے جیسا کہ بلادِ عرب وبلاد مشرقِ اقصیٰ (سعودی عرب، مصر، امارات، ملائشیا، انڈونیشیا وغیرہ) میں ایک قومی نظامِ تعلیم ہی پایا جاتا ہے، اور پاکستان میں بھی جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے اسی نظامِ تعلیم کی علم بردار 'انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی' کو قائم کر دیا تھا۔ اور یہی اسلامی حکومت کا فریضہ اور مسئلے کا مکمل حل ہے۔ تاہم عبوری طور پر مدارس کے فضلا کو زیادہ سے زیادہ قومی دھارے میں لانے کے ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں:

① دینی مدارس کے بورڈ کو مستقل طور پر پارلیمنٹ سے منظور ہونا چاہیے، اس میں فقہ الواقع (واقعاتی صورتحال) کو سمجھنے کے لئے معاشرتی اور سائنسی علوم کو ڈالا جاسکتا ہے، جیسا کہ ۱۹۸۲ء کے نوٹیفکیشن میں موجود تھا۔ تاہم HEC والی انگریزی میں ادبی مہارت کی شرط ختم ہونی چاہیے۔

② وفاق کی اسناد صرف تدریس و تحقیق کے لئے معتبر ہیں، جبکہ ان کو مسلّمہ قابلیت نہیں سمجھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ سیاست میں ان اسناد کی بنا پر اہلیت کو تسلیم نہیں کروایا جاسکا۔ جیسا کہ لاہور ہائی کورٹ کے دو واضح

فیصلے آچکے ہیں۔ پہلا فیصلہ ۲۰۰۵ء میں اور دوسرا ۲۰۰۸ء میں جسٹس محمد مزمل خاں اور جسٹس سردار محمد اسلم کا۔ تاہم پارلیمنٹ سے قانون پاس ہونے یا قانونی چارہ جوئی پر یہ عدالتی فیصلے بھی غیر مؤثر ہو سکتے ہیں۔

③ ثانویہ عامہ اور خاصہ کی اسناد کی منظوری بھی ضروری ہے کیونکہ صرف عالمیہ کرنے والے کی نچلی اسناد غیر معتبر ہوتی ہیں، اور اس بنا پر مزید تعلیم یا کسی بھی سرکاری ملازمت کے حصول میں رکاوٹ پیش آسکتی ہے۔ ان مراحل کو 'انٹر بورڈز' کے سپرد کرنے کی بجائے، ان کے لئے بھی خصوصی نصاب ونظام متعارف کرانا چاہیے۔ کیونکہ مڈل کے بعد سے سائنس گروپ علیحدہ ہو جانے کی طرح علوم اسلامیہ کی مہارت بھی، اسی مرحلہ سے خصوصی تعلیم وتربیت کی متقاضی ہے۔

④ دینی مدارس کے لئے یونیورسٹیوں میں خصوصی نصاب اور خصوصی گروپ کو متعارف کرانا چاہیے جیسا کہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ہاں 'درسِ نظامی گروپ' پایا جاتا ہے، اور اس کو مزید بہتر کیا جانا چاہیے۔

⑤ اس طرح مدارس کو قومی یونیورسٹیوں کے ساتھ ملحق کرنا چاہیے۔ کم از کم دیگر سرکاری یونیورسٹیوں کی طرح انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کو بھی ملک بھر میں اپنی شاخوں کو پھیلانا اور اپنی شرائط پر دوسرے تعلیمی اداروں کو الحاق Affiliation کی سہولت ضرور دینی چاہیے۔

⑥ حکومت کو خود اعلیٰ دینی تعلیم کے معیاری ادارے قائم کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیم وتحقیق اور اس کے بعد اس پر عمل درآمد کو اپنی بنیادی ذمہ داری سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ دینی مدارس کو ملنے والا فنڈ اور طلبہ واساتذہ، استعمار کی کئی سالہ جدوجہد کے نتیجے میں مخصوص فرقہ وارانہ دباؤ کا شکار ہیں، جس کے خاتمے کے لئے مسلسل اور منظم کوششیں بروئے کار لانا ضروری ہیں۔ چنانچہ اگر حکومت قومی خزانے سے فرقہ واریت سے بالاتر، قرآن وسنت اور ان کی روشنی میں فقہ اسلامی کی معیاری تعلیم کے ادارے قائم کرے، جیسا کہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اس ضمن میں ایک بہترین مثال ہے، تو اس سے حکومت کا دینی علوم کے فروغ کا فریضہ احسن طور پر پورا ہو گا، اور معاشرے میں فرقہ واریت کے خاتمے کی بہتر مثال بھی قائم ہو گی۔ ایسے ہی قومی نوعیت کے ادارے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اسلامی نظریے اور اس کے شہریوں کی حقیقی اسلامی خدمت کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہی پاکستان کے کامیاب اسلامی فلاحی معاشرہ ہونے کا خواب پورا ہو سکتا ہے۔ ☆☆

(ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)
مدیر التعلیم، جامعہ لاہور الاسلامیہ

دینی مدارس وجامعات کو مربوط نظام کے تحت لانے کے لیے حکمتِ عملی

① اتحاد تنظیماتِ مدارس پاکستان کی رکن پانچوں تنظیمات کو ایکٹ آف پارلیمنٹ کے ذریعے 'تعلیمی بورڈز' کا درجہ دینا۔ یہ تنظیمات درج ذیل ہیں:

وفاق المدارس العربیہ، پاکستان	تنظیم المدارس اہل سنت، پاکستان
وفاق المدارس السلفیہ، پاکستان	وفاق المدارس الشیعہ، پاکستان
رابطۃ المدارس الاسلامیہ، پاکستان	

② دینی مدارس وجامعات وفاقی وصوبائی وزارتِ تعلیم کے ساتھ مربوط ہوں گے۔

③ پاکستان میں قائم دینی مدارس وجامعات کو فعال رہنے کے لیے ان پانچوں تنظیمات میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنا ہوگا۔

④ پانچوں تنظیمات اپنا دینی نصاب طے کرنے کے لیے آزاد ہوں گی۔

⑤ دستور پاکستان کے آرٹیکل ۲۵/اے کے تحت ریاست کے ذمے داری ہے کہ وہ پانچ سے سولہ سال کی عمر تک کے بچوں کے لیے یکساں اور مفت تعلیم کے بندوبست کرے، اور اس کے لیے ضروری قانون سازی کرے۔ اس کا دائرہ وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقوں اور شمالی علاقہ جات تک محیط ہونا چاہیے اور یہ سب کے لیے یکساں طور پر عصری ودینی تعلیم پر مشتمل ہونا چاہیے۔

⑥ اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کی رکن پانچوں تنظیمات درجہ ثانویہ عامہ (مساوی میٹرک) اور درجہ ثانویہ خاصہ (مساوی انٹر میڈیٹ) تک اپنے نصاب میں لازمی عصری مضامین شامل کریں گی:

(الف) میٹرک کے لازمی مضامین یہ ہیں: (۱) اردو (۲) انگلش (۳) اسلامیات (۴) مطالعہ پاکستان (۵) ریاضی

نوٹ: کمپیوٹر سائنس کی تعلیم اختیاری ہوگی۔

(ب) انٹر میڈیٹ کی سطح کے لازمی مضامین یہ ہیں: (۱) اردو (۲) انگلش (۳) اسلامیات (۴) مطالعہ پاکستان

نوٹ: وزیر تعلیم محترم میاں بلیغ الرحمن صاحب کے زیر صدارت ایک اجلاس میں یہ طے کیا جاچکا ہے کہ دینی مدارس وجامعات کے طلبہ وطالبات پر اسلامیات لازمی کے مضمون کا اطلاق نہیں ہو گا، کیونکہ ان کی قابلیت اسلامیات میں مسلّم ہے۔

⑦ نصاب، معیارِ تعلیم اور امتحانات میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے عصری مضامین کی حد تک فیڈرل بورڈ آف سیکنڈری اینڈ انٹر میڈیٹ ایجوکیشن کی منظور کردہ نصابی کتب کو تمام تنظیمات کے بورڈز اپنے نصاب کا حصّہ بنائیں گے۔

⑧ وفاقی یا صوبائی وزارتِ تعلیم پانچوں تنظیمات کی مجالس نصاب میں عصری مضامین کی حد تک اپنا ایک نمائندہ مقرر کر سکیں گی۔

⑨ پانچوں تنظیمات کے نصاب مطبوعہ صورت میں دستیاب ہوں گے تاکہ تمام رکن تنظیمات کو ایک دوسرے کے نظام تعلیم کے بارے میں آگہی ہو اور حسب ضرورت ایک دوسرے کے تجربات سے تقابل اور استفادہ کر سکیں۔

⑩ ہر تنظیم اپنے سند یافتگان/ڈگری ہولڈر طلبہ وطالبات کا امتحانی اور اسناد کا ریکارڈ محفوظ رکھے گی اور ہر وقت برائے معائنہ دستیاب ہو گا۔

⑪ غیر ملکی طلبہ کے داخلے کے لیے وزارت تعلیم/وزارت داخلہ کی تصریح (کلیئرنس) ضروری ہو گی۔

⑫ پانچوں رکن تنظیمات کے ملحق مدارس 'سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ ۱۸۶۰ء' کی اضافی دفعہ ۲۱ (مجریہ ۲۰۰۵ء) کے تحت مندرجہ ذیل شرائط کے پابند ہوں گے:

(الف) کوئی مدرسہ/جامعہ عسکری تعلیم وتربیت نہیں دے گا اور نہ ہی ایسا مواد رکھے گا۔

(ب) کوئی مدرسہ/جامعہ نفرت انگیزی پر مبنی تعلیم نہیں دے گا، البتہ خالص اکیڈمک سطح پر تقابل ادیان، تقابل مذاہب اور علم الکلام کی تعلیم پر اس کا اطلاق نہیں ہو گا۔

⑬ وفاقی یا صوبائی حکومتیں دینی مدارس وجامعات کے بارے میں کوئی پالیسی مرتب کرتے وقت یا معلومات حاصل کرنے کے لیے اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کی رکن پانچوں تنظیمات کو اعتماد میں لیں گی۔

⑭ پانچوں تنظیمات اپنے اپنے دائرہ کار میں وقتاً فوقتاً 'تدریب المعلمین' کے پروگرام مرتب کریں گی اور اس سلسلہ میں حسبِ ضرورت وفاقی وصوبائی وزارت تعلیم اور فیڈرل ایجوکیشن بورڈ سے فنی معاونت حاصل کر سکیں گی۔

نظامِ امتحانات

اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کی رکن پانچوں تنظیمات حسب سابق اپنے امتحانات منعقد کریں گی۔ دینی مضامین کی طرح عصری مضامین کے پرچوں کی تیاری، امتحانات کا انعقاد اور پرچوں کی چیکنگ پانچوں تنظیمات اپنے اپنے نظام کے تحت کریں گی اور محکمہ تعلیم چاہے تو اُن کا معائنہ کر سکتا ہے۔

اسناد کا اجرا

دینی وعصری مضامین کے درمیان نشانات (نمبرز) کا تناسب باہمی مشاورت سے طے ہو گا اور اسی کے مطابق تنظیمات اسناد کا اجرا کریں گی۔

نوٹ: درجہ عالیہ کی شہادہ (ڈگری) کو بی اے کے مساوی قرار دینے کے لیے ہائر ایجوکیشن کمیشن پہلے ہی اپنی پالیسی کا نوٹیفکیشن جاری کر چکا اور وہ یہ ہے:

① کسی بھی تنظیم کے درجہ عالیہ کی شہادت کا حامل (ڈگری ہولڈر) جب کسی بھی یونیورسٹی سے بی اے کی سطح کی انگریزی اور مطالعہ پاکستان کا امتحان پاس کر لے، تو اس کی ڈگری بی اے کی مساوی تسلیم کی جائے گی اور وہ ملازمت اور مقابلے کے امتحان میں شرکت کا اہل ہو گا۔

② پانچوں تنظیمات کی شهادة العالمية فی العلوم العربية والاسلامية کی ڈگری کو 'ہائر ایجوکیشن کمیشن' پہلے ہی ایم اے عربی و اسلامیات کے مساوی تسلیم کر چکا ہے اور ہمارے کئی علما پہلے ہی ملک کی مختلف یونیورسٹیوں سے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں اور بہت سے ان مراحل میں زیر تعلیم ہیں۔ لہٰذا اس کے لیے یہاں الگ سے کوئی عنوان قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

③ جو مدارس عصری مضامین کی تدریس کیلئے حکومت کی اعانت چاہتے ہوں تو حکومت انہیں سرکاری معیار پر اساتذہ فراہم کرے، لیکن ان کے عزل ونصب (ہائر اینڈ فائر) کا اختیار متعلقہ ادارے کے پاس ہونا چاہیے۔

④ اگر عصری مضامین کے لیے ہماری پانچوں تنظیمات کو بااختیار نہیں بنایا جاتا، ہماری اسناد کو قانونی حیثیت نہیں دی جاتی تو ہمارے طلبہ آزاد ہیں، پاکستان کے جس بورڈ سے چاہیں پورے مضامین کے امتحان دے کر میٹرک اور انٹر میڈیٹ کی اسناد حاصل کر سکتے ہیں اور پھر یہ ساری مشق بے سود رہے گی۔

دستخط ذمہ داران: مولانا مفتی منیب الرحمٰن — مولانا قاری حنیف جالندھری

مولانا محمد یاسین ظفر — مولانا عبد المالک — سید نیاز حسین نقوی

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے کَلِمَۃُ اللّٰہِ اور رُوحُ اللّٰہِ ہونے کی حقیقت

قرآنِ کریم اور بائبل کے تناظر میں

مولانا خاور رشید بٹ[1]
ترتیب: ادارہ 'محدث'

اعتراض: قرآنِ مجید نے کئی مقامات پر جناب مسیح علیہ السلام کو 'کلمۃ اللہ' اور 'روح اللہ' قرار دیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا 'کلمہ' ازلی ہے، مخلوق نہیں۔ اسی طرح 'روح اللہ' سے مراد اللہ تعالیٰ کی اپنی حیات ہے اور یہ بھی ازلی ہے، لہٰذا مسیح علیہ السلام ازلی وابدی ہوئے اور یہ الٰہی خاصہ ہے۔

جواب: مسیحیوں کا یہ استدلال کوئی نیا نہیں بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے عیسائی آئے تھے تو اُنہوں نے بھی یہ کہا تھا کہ "آپ جناب مسیح علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ نہیں مانتے؟" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بالکل مانتے ہیں۔ عیسائیوں نے کہا کہ ہمیں یہی بات کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیت اتاری:

﴿هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾ (آل عمران:۷)[2]

"وہی اللہ ہے، جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے اِس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں: ایک محکمات، جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات، جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے، وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اُن کو من گھڑت معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا بخلاف اِس کے جو لوگ علم میں پختہ

---

۱ اُستاذ جامعہ لاہور الاسلامیہ، گارڈن ٹاؤن، لاہور.... ریسرچ سکالر 'حقوق الناس فاؤنڈیشن'، کلمہ چوک، لاہور

۲ تفسیر طبری: ۳/۱۷۷

کار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا اُن پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے ربّ ہی کی طرف سے ہیں اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانش مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔"

ایسا متشابہ لفظ جس کے کئی معانی (تعبیریں) ہو سکیں تو اس کا حقیقی مصداق اور اصلی مطلب لینے کے لیے اس کلام (قرآن) اور صاحبِ کلام (شارح یعنی محمد ﷺ) کی طرف رجوع کیا جائے گا اور یہی اُصول تمام لوگوں کے ہاں تسلیم شدہ ہے۔

مسلمان، مسیحی اور دیگر مذاہب کے ماننے والے اس اُصول کو مد نظر رکھیں تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے لیکن تعصّب کی پٹی کوئی اتارنے کے لیے تیار ہی نہیں۔ ادھر بھی یہی صورتحال ہے، لہٰذا ان دونوں الفاظ کو اسلامی مصادر (قرآن وحدیث) کے مطابق سمجھنا چاہیے اور پھر غور کریں، آیا یہ اعتراض باقی رہتا ہے؟ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

عیسائیوں نے جناب مسیح علیہ السلام کو تثلیث کا ایک رکن (اُقنوم) اور ابن اللہ قرار دینے کے لیے قرآنی الفاظ سے استدلال کیا، وہ اگر ان کے سیاق وسباق کو پڑھ لیتے تو اس گمراہی میں مبتلا نہ ہوتے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰۗىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ ﴾ (النساء:۱۷۱۔۱۷۳)

"اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلوّ نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو، مسیح عیسیٰؑ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک کلمہ تھا جو اللہ نے مریمؑ کی طرف بھیجا اور وہ اللہ کی طرف سے ایک روح تھی (جس نے مریم کے رحم میں بچہ کی شکل اختیار کی) پس تم اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ تین ہیں، باز آجاؤ، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی الٰہ ہے، وہ اِس سے بالاتر ہے کہ کوئی اُس کا بیٹا ہو، زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں اس کی مِلک ہیں، اور ان کی کفالت وخبر گیری کے لیے بس وہی کافی ہے۔ مسیح کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھے

گا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو، اور نہ مقرب ترین فرشتے اِس کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کرے گا۔ اُس وقت وہ لوگ جنہوں نے ایمان لا کر نیک طرز عمل اختیار کیا، اللہ ان کو پورا پورا اجر دے گا اور اللہ اپنے فضل سے ان کو مزید عطا فرمائے گا، اور جن لوگوں نے بندگی کو عار سمجھا اور تکبر کیا ہے اُن کو اللہ دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا جن جن کی سرپرستی و مددگاری پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں ان میں سے کسی کو بھی وہ وہاں نہ پائیں گے۔"

عیسائیوں نے جناب مسیح علیہ السلام کے حوالے سے غلو کرتے ہوئے انہیں 'ابن اللہ' اور 'ذاتِ الٰہ' میں شریک (حصہ) قرار دیا ہے، جبکہ درحقیقت وہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔

قرآن کریم میں اُنہیں اللہ کا کلمہ اور روح بھی قرار دیا گیا جس کا مطلب عیسائیوں نے غلط لیا ہے۔ پہلے ان جملوں کا اصل مفہوم و مطلب کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیں:

کلمۃ اللہ

جناب مسیح علیہ السلام کے حوالے سے آنے والے اس لفظ کے ازروئے قرآن دو مطلب ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی عیسائیوں کو مفید نہیں۔

اوّل: وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُن سے پیدا شدہ تھے، اور یہ نسبت تشریفی ہے۔ اس کلمہ کی ازلی اور ابدی تعبیروں میں نہیں الجھنا چاہیے کیونکہ یہ کلامی اصطلاحات ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیات ہیں:

﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾ (آل عمران: ۴۵-۴۷)

"اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریمؑ! اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی خوش خبری دیتا ہے اُس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا، دنیا اور آخرت میں معزز ہو گا، اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا۔ لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور ادھیڑ عمر کو پہنچ کر بھی، اور وہ ایک مرد صالح ہو گا۔ یہ سن کر مریمؑ بولی: پروردگار! میرے ہاں بچہ کہاں سے ہو گا؟ مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ جواب ملا، ایسا ہی ہو گا، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس

کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔"

یہاں لفظ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ آیا ہے جو اس کلمۃ اللہ کے مخلوق ہونے کی واضح دلیل ہے جبکہ عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام ہی مجسم ہو کر جناب مسیح کی صورت میں دنیا کے اندر آئی۔ جبکہ 'پیدا شدہ چیز' کیسے اللہ تعالیٰ کی صفتِ ازلی ہو سکتی ہے؟

'کلمۃ اللہ' بالکل اسی طرح ہے جیسے صالح علیہ السلام کو اونٹنی کا معجزہ دیا گیا تھا، تو اسے 'ناقۃ اللہ' کہا گیا۔ اسی طرح مسجدِ حرام میں واقع خانہ کعبہ کو 'بیت اللہ' کہا جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے گھر یا سواری ہیں، بلکہ یہ سب مخلوق ہیں۔ البتہ ان کی عزت و شرف اور فضیلت کے باعث ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی گئی۔ اسے 'اضافتِ تشریفی' کہا جاتا ہے۔ مزید تائید بائبل سے دیکھ لیں، مثلاً:

① جس پہاڑ پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے لائے تھے، اسے بائبل میں 'خداوند کا پہاڑ' کہا گیا ہے۔[1]

② عہد کے صندوق کو 'خدا کا صندوق' کہا گیا ہے۔[2]

③ ہیکل کو 'رب الافواج کا گھر' کہا گیا ہے۔[3] نیز اسے 'خدا کا مقدس' کہا گیا ہے۔[4]

④ "آسمان خداوند کے کلام سے اور اس کا سارا لشکر اس کے منہ کے دم سے بنا۔"[5]

کیا مسیحی لوگ ان اشیاء: پہاڑ، صندوق، ہیکل، آسمان وغیرہ کو ازلی مانتے ہیں؟

دوم: کلمۃ اللہ سے مراد لفظ کُن ہے جو سیدنا عیسیٰ کی تخلیق کا سبب ہے چنانچہ مشہور مفسر شیخ محمد امین شنقیطی آیتِ مذکورہ بالا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لَمْ يُبَيِّنْ هُنَا هَذِهِ الْكَلِمَةَ الَّتِي أُطْلِقَتْ عَلَى عِيسَى ; لِأَنَّهَا هِيَ السَّبَبُ فِي وُجُودِهِ مِنْ إِطْلَاقِ السَّبَبِ وَإِرَادَةِ مُسَبَّبِهِ، وَلَكِنَّهُ بَيَّنَ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ أَنَّهَا لَفْظَةُ كُنْ، وَذَلِكَ فِي

---

۱ پیدائش ۲۲:۱۴

۲ ۲۔سموئیل ۶:۳

۳ زکریا ۹:۸

۴ ۲۔کرنتھیوں ۶:۱۶

۵ زبور: ۳۳۔۶

قَوْلِہٖ: ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴾[1]

"اس جگہ اس کلمہ کی وضاحت نہیں کی گئی جو سیدنا عیسیٰ (کی تخلیق) کے لئے بولا گیا۔ لیکن دوسری جگہ کلمہ کُن کی صراحت موجود ہے جو اس آیت میں ہے: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ (آلِ عمران:۵۹) "اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا، پس وہ ہو گیا۔ یہاں کلمہ کُن جو عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق کا سبب تھا، بول کر مسبّب (اللہ تعالیٰ کا ارادہ) مراد لیا ہے۔"

اور ایسی ہی بات امام غزالی نے بھی کہی ہے۔[2]

ایک اور انداز سے وضاحت: محض کلمۃ اللہ کہنے سے اگر کوئی الٰہ یا ذات الٰہ کا جز بن سکتا ہے تو قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات بے شمار ہیں تو کیا وہ بھی یہی حکم رکھتے ہیں؟ مثلاً قرآن کریم میں ہے:

﴿ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا ﴾ (الکہف:۱۰۹)

"پیغمبر! کہو کہ اگر سمندر میرے ربّ کے کلمات لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے ربّ کی باتیں ختم نہ ہوں، بلکہ اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے۔"

دوسرے مقام پر ہے:

﴿ وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴾ (لقمان:۲۷۔۳۱)

"زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (روشنائی بن جائے) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔ بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے۔"

روح اللہ

مسیحی فلسفی یہ کہتے ہیں کہ اس لفظ سے اللہ تعالیٰ والی حیاتِ ازلی مراد ہے جبکہ درحقیقت ایسا نہیں کیونکہ

---

[1] تفسیر أضواء البیان: ۱/۲۰۰

[2] الرد الجمیل لالٰھیۃ عیسیٰ بصریح الانجیل از ابو حامد الغزالی: ص ۱۶۶؛ الداعی الی الاسلام از ابن الانباری: ص ۳۷۶

اس کے لیے آنے والے قرآنی الفاظ وَرُوْحٌ مِّنْهُ میں لفظ مِن تبعیض (جز) کے لیے نہیں بلکہ کسی چیز کے صادر ہونے کے لیے ہے، لہٰذا ترجمہ یوں ہوگا اور "اس (اللہ) کی طرف سے صادر ہونے والی روح۔" جیسا کہ تفسیر البحر المحیط میں ہے:

وَمَعْنَى رُوحٍ مِنْهُ أَيْ: صَادِرَةٌ، لِأَنَّهُ ذُو رُوحٍ وُجِدَ مِنْ غَيْرِ جُزْءٍ مِنْ ذِي رُوحٍ، كَالنُّطْفَةِ الْمُنْفَصِلَةِ مِنَ الْأَبِ الْحَيِّ، وَإِنَّمَا اخْتُرِعَ اخْتِرَاعًا مِنْ عِنْدِ اللهِ وَقُدْرَتِهِ. وَقَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ: عِيسَى رُوحٌ مِنْ أَرْوَاحِ اللهِ تَعَالَى الَّذِي خَلَقَهَا وَاسْتَنْطَقَهَا بِقَوْلِهِ: أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى. بَعَثَهُ اللهُ إِلَى مَرْيَمَ فَدَخَلَ. وَقَالَ الطَّبَرِيُّ وَأَبُو رَوْقٍ: وَرُوحٌ مِنْهُ أَيْ نَفْخَةٌ مِنْهُ، إِذْ هِيَ مِنْ جِبْرِيلَ بِأَمْرِهِ.[1]

"اور رُوْحٌ مِّنْهُ کا مطلب ہے: صادر ہونے والی روح کیونکہ سیدنا عیسیٰ ایسی روح ہیں جو کسی ذی روح کے حصّے کے طور پر وجود میں نہیں آئی، جیسے زندہ والد سے جدا ہونے والا نطفہ ہوتا ہے۔ اور سیدنا عیسیٰ کو اللہ کی طرف سے اور اس کی قدرت سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اُبی بن کعب کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے ان روحوں سے ہے جنہیں اُس نے پیدا کر کے ان سے اَلَستُ بِرَبِّکُم کے جواب کا مطالبہ کیا تو اُنہوں نے بَلٰی کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس روح کو سیدہ مریم کی طرف بھیجا اور وہ ان میں داخل ہوئی۔ اور امام طبری اور ابوروق کہتے ہیں: رُوْحٌ مِّنْهُ کا مطلب ہے اللہ کی طرف سے پھونک کیونکہ جبریل اللہ کے حکم سے پھونک مارنے آئے تھے۔"

اور اس کی مثل قرآنِ مجید کی یہ آیت بھی ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾

"اس نے آسمانوں اور زمین کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔" (الجاثیہ:۱۳)

﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (البقرۃ:۲۶۸)

"شیطان تمہیں فقر اور بے حیائی کا وعدہ دیتا ہے اور اللہ تمہیں اپنے پاس سے مغفرت اور فضل کا وعدہ

---

۱ تفسیر البحر المحیط از ابو حیان اندلسی: ۴/۱۴۳، دار الفکر، بیروت ۱۴۲۰ھ

دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت اور علم والا ہے۔"

یعنی آسمان وزمین اللہ تعالیٰ کا جز نہیں ہیں اوران کے اللہ کے مخلوق ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور ان کی تسخیر بھی اس کی طرف سے ہے۔ اور مغفرت وفضل اس کے وعدے ہیں۔ گویا تسخیر اور مغفرت تاکیداً اسی کی عنایات ہیں۔

بائبل میں بھی اس طرح کے کئی جملے ہیں: (پہلے عربی عبارت اور پھر اس کا ترجمہ دیکھیں)

① پولوس رقم طراز ہے: هذا كله من الله "اور یہ سب چیزیں خدا کی طرف سے ہی ہیں۔"[1]

② من يؤمن بأن يسوع هو المسيح فهو مولودٌ من الله.

"جس کا یہ ایمان ہے کہ یسوع ہی مسیح ہے، وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔"[2]

③ كل مولود من الله لا يعمل الخطيئة لأن زرع الله ثابت فيه.

"جو کوئی خدا کی طرف سے پیدا ہوا ہے، وہ گناہ نہیں کرتا کیونکہ اس کا تخم اس میں موجود رہتا ہے۔"[3]

④ أيها الحبيب لا تتبع الشرّ، بل الخير. من يعمل الخير فهو من الله.

"اے پیارے! بدی کی نہیں بلکہ نیکی کی پیروی کر۔ نیکی کرنے والا خدا کی طرف سے ہے۔"[4]

کیا مسیحی حضرات تمام مخلوقات، جناب عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ماننے والوں، اور نیک اعمال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کا جز اور حصّہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں؟ حالانکہ ان کے لیے بھی لفظ مِن استعمال ہوا ہے بلکہ دوسرے اور تیسرے حوالے میں تو اللہ سے پیدا ہونے کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام جملوں میں 'اللہ کی طرف سے' والا مطلب مراد لینے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔

تو جیسے قرآن اور بائبل کے ان جملوں میں لفظ مِن صدور (ابتدا) کے لئے ہے، اسی طرح لفظ رُوْحٌ مِّنْهُ میں بھی 'اس سے صادر ہونے والی مخلوق' کے لئے ہی ہے۔

☜ تمام ارواح مخلوق ہیں: واضح رہنا چاہیے کہ اسلاف سمیت تمام اہل سنت تمام انسانی جسم میں پائے جانے والی روح کو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار نہیں دیتے، بلکہ تمام طرح کی اَرواح کو اس کی مخلوق تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ امام

---

۱ کرنتھیوں ۱۸:۵

۲ یوحنا کا پہلا خط ۱:۵

۳ یوحنا کا پہلا خط ۹:۳

۴ یوحنا کا تیسرا خط ۱۱:۱

ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رُوحُ الْآدَمِيِّ مَخْلُوقَةٌ مُبْدَعَةٌ بِاتِّفَاقِ سَلَفِ الْأُمَّةِ وَأَئِمَّتِهَا وَسَائِرِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَقَدْ حَكَى إجْمَاعَ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ مثلُ "مُحَمَّدِ بْنِ نَصْرِ الْمَرْوَزِي" الْإِمَامِ الْمَشْهُورِ الَّذِي هُوَ أَعْلَمُ أَهْلِ زَمَانِهِ بِالْإِجْمَاعِ وَالِاخْتِلَافِ أَوْ مِنْ أَعْلَمِهِمْ. وَكَذَلِكَ "أَبُو مُحَمَّدِ بْنُ قُتَيْبَةَ" قَالَ فِي "كِتَابِ اللقط" لَمَّا تَكَلَّمَ عَلَى خَلْقِ الرُّوحِ قَالَ: النَّسَمُ الْأَرْوَاحُ. قَالَ: وَأَجْمَعَ النَّاسُ عَلَى أَنَّ اللهَ خَالِقُ الْجُثَّةِ وَبَارِئُ النَّسَمَةِ أَيْ خَالِقُ الرُّوحِ. وَقَالَ أَبُو إسْحَاقَ بْنُ شاقلا فِيمَا أَجَابَ بِهِ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ، سَأَلْتَ ـ رَحِمَكَ اللهُ ـ عَنْ الرُّوحِ مَخْلُوقَةٌ أَوْ غَيْرُ مَخْلُوقَةٍ قَالَ: هَذَا مِمَّا لَا يَشُكُّ فِيهِ مَنْ وُفِّقَ لِلصَّوَابِ إلَى أَنْ قَالَ: وَالرُّوحُ مِنْ الْأَشْيَاءِ الْمَخْلُوقَةِ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ طَوَائِفُ مَنْ أَكَابِرِ الْعُلَمَاءِ وَالْمَشَايِخِ وَرَدُّوا عَلَى مَنْ يَزْعُمُ أَنَّهَا غَيْرُ مَخْلُوقَةٍ. وَصَنَّفَ الْحَافِظُ أَبُو عَبْدِ اللهِ بْنُ مَنْدَة فِي ذَلِكَ كِتَابًا كَبِيرًا فِي "الرُّوحِ وَالنَّفْسِ" وَذَكَرَ فِيهِ مِنْ الْأَحَادِيثِ وَالْآثَارِ شَيْئًا كَثِيرًا؛ وَقَبْلَهُ الْإِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ الْمَرْوَزِي وَغَيْرُهُ وَالشَّيْخُ أَبُو يَعْقُوبَ الْخَرَّازُ وَأَبُو يَعْقُوبَ النَّهرَجُورِي وَالْقَاضِي أَبُو يَعْلَى وَغَيْرُهُمْ؛ وَقَدْ نَصَّ عَلَى ذَلِكَ الْأَئِمَّةُ الْكِبَارُ وَاشْتَدَّ نَكِيرُهُمْ عَلَى مَنْ يَقُولُ ذَلِكَ فِي رُوحِ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ لَا سِيَّمَا فِي رُوحِ غَيْرِهِ كَمَا ذَكَرَهُ أَحْمَدُ فِي كِتَابِهِ فِي الرَّدِّ عَلَى "الزَّنَادِقَةِ وَالْجَهْمِيَّةِ" [1]

"آدمی کی روح مخلوق اور نئے سرے سے وجود میں آنے والی ہے۔ اس میں ملتِ اسلامیہ کے اسلاف، ائمہ کرام اور جملہ اہل سنت کا اتفاق ہے۔ اور روح کے مخلوق ہونے پر بہت سے ائمہ مسلمین، مثلاً مشہور امام محمد بن نصر مروزی نے اجماع کی صراحت کی ہے جو اپنے دور کے اہل علم کے اختلافات واجماعات کو سب سے زیادہ جاننے والے یا اجل علما میں سے تھے۔ ان میں سے ایک ابو محمد بن قتیبہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اللقط میں روح کی تخلیق پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "نَسم سے مراد ارواح ہیں اور لوگوں کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے خالق اور روح کے خالق ہیں۔" اور ابو اسحٰق بن شاقلا سے جب روح کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

---

1 مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۱۶/۴

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے درست موقف کی توفیق دی ہے، اسے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں ہے، کہ روح مخلوق چیزوں میں سے ہے۔" اور اس مسئلہ میں اکابر علما ومشائخ نے گفتگو کرتے ہوئے اس شخص کی پرزور تردید کی ہے جو روح کے غیر مخلوق ہونے کا دعویدار ہے۔ اور حافظ ابو عبد اللہ بن مندہ نے 'روح ونفس' کے عنوان سے ایک عظیم کتاب لکھی ہے جس میں بے شمار احادیث وآثار کا ذکر کیا ہے۔ اور اسے امام محمد بن نصر مروزی وغیرہ، شیخ ابو یعقوب خراز، ابو یعقوب نہر جوری، قاضی ابو یعلیٰ وغیرہ نے بھی قبول کیا ہے۔ اور کبار ائمہ نے اس کی صراحت کی، اور اُنہوں نے اس موقف کی سخت مذمت کی ہے جو شخص عیسیٰ بن مریم کی روح کو خصوصی طور پر اور باقی روحوں کو عمومی طور پر قرار غیر مخلوق کہتا ہے جیسا کہ امام احمد نے اپنی تصنیف الرَّدّ عَلَى الزَّنَادِقَةِ وَالْجَهْمِيَّة میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔"

☜ سیدنا عیسیٰ کے علاوہ دیگر کے لئے 'روح' کا لفظ: قرآن مجید کے مطابق لفظ رُوح فقط سیدنا مسیح علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ سیدنا جبریل علیہ السلام کے لیے بھی یہ لفظ بولا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾﴾ (مریم:۱۷)

"اور وہ پردہ ڈال کر اُن سے چھپ بیٹھی تھی اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا۔"

اسی کو دوسری جگہ روح القدس اور تیسرے مقام پر روح الامین کا نام دیا گیا ہے:

﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾﴾ (النحل:۱۰۲)

"اِن سے کہو کہ اِسے تو روح القدس نے ٹھیک ٹھیک میرے رب کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور فرماں برداروں کو زندگی کے معاملات میں سیدھی راہ بتائے اور اُنہیں فلاح وسعادت کی خوش خبری دے۔"

ا حافظ ابن حزم لکھتے ہیں: "كل روح: فَهُوَ روح الله تَعَالَى، على الْملك؛ لَكِن إِذا قُلْنَا: روح الله، على الْإِطْلَاق: يَعْنِي بذلك جِبْرِيل، أَو عِيسَى عَلَيْهِمَا السَّلَام، كَانَ ذَلِك فَضِيلَة عَظِيمَة لَهما." (الفصل فی الملل:۳/۹)
"ہر روح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتی ہے یعنی وہ اس کا مالک ہے (جو وہ فرشتہ کے ذریعے بھیجتا ہے۔) تاہم جب ہم مطلق طور پر روح اللہ کہیں تو اس سے مراد سیدنا جبریل ہیں یا سیدنا عیسیٰ علیہما السلام، کیونکہ دونوں کی اس حوالے سے عظیم فضیلت ہے۔" (ح۔م)

﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴾ (الشعراء:۱۹۳)

"اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اُتری ہے۔"

سیدنا جبریل علیہ السلام کو روح کہنے کی وجہ ان کا مادّی جسم نہ ہونا ہے، چنانچہ جب سیدہ مریم کے پاس آئے تو انسان کی صورت اختیار کی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴾ (مریم:۱۷)

"اور وہ پردہ ڈال کر اُن سے چھپ بیٹھی تھی اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی طرف سے روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا۔"

☜ اُنہوں نے سیدہ مریم کے گریبان میں پھونک ماری تو اللہ کے حکم سے حمل ہو گیا، لہٰذا ان کی پیدائش سیدنا جبرائیل علیہ السلام کی پھونک سے ہوئی تھی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴾

"اور وہ خاتون جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی، ہم نے اُس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونکی اور اُسے اور اُس کے بیٹے کو دنیا بھر کے لیے نشانی بنا دیا۔" (الانبیاء:۹۱)

☜ یہ شرف سیدنا آدم علیہ السلام کو بھی حاصل ہے، چنانچہ جب انہیں مٹی سے بنایا گیا تو پھر ان میں اللہ نے اپنی طرف سے روح پھونکی۔ قرآن میں ہے:

﴿ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴾ (الحجر:۲۹)

"جب میں اُسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔"

الغرض مسلمانوں کے ہاں یہ نسبت عزت و اکرام کی ہے[1]، جسے نسبت تشریفی کہتے ہیں۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ قرار دینے کے لیے جیسا کہ مسیحی کہتے ہیں۔ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو آدم علیہ السلام، سیدنا مسیح علیہ السلام کی نسبت خدا بننے کے زیادہ حقدار ہیں اور قرآن مجید میں اسی بنا پر ان دونوں کو ہم مثل کہا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾

"اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ

---

۱ دیکھئے تفاسیر: ایسر التفسیر: ۳۱۹/۵، تفسیر خازن: ۲۲۲/۵، تفسیر التحریر والتنویر: ۱۳۸/۱۷

ہو جا اور وہ ہو گیا۔" (آلِ عمران:۵۹)

کیا کوئی مسیحی سیدنا آدم کو بھی خداوند تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے؟

یہ تو ہوئی قرآنی تعلیم، اب ہم بائبل دیکھتے ہیں تو وہاں بھی کئی لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے روح بھیجنے کا تذکرہ کیا، تو کیا وہ بھی خدا جیسے ہیں؟ مثلاً:

① پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا: "دیکھ میں نے 'بضلی ایل بن اوری بن حُور' کو یہوداہ کے قبیلے میں سے نام لیکر بلایا ہے اور میں نے اس کو حکمت، فہم و علم اور ہر طرح کی صفت میں روح اللہ[1] سے معمور کیا ہے۔"[2]

عربی بائبل میں اس کے لیے یہ الفاظ آئے ہیں: وملأته من روحي

② موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو جا کر یہ وحی سنائی تو اس میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں۔[3]

"موسیٰ نے اسے کہا: کیا تجھے میری خاطر رشک آتا ہے، کاش خداوند کے سب لوگ نبی ہوتے اور خداوند اپنی روح ان سب میں ڈالتا۔"[4]

یعنی ان کے نزدیک تمام انبیا میں ہی اللہ تعالیٰ کی روح ڈالی جاتی ہے تو پھر مسیح علیہ السلام کی خصوصیت کیا رہی؟

③ تو ان کا دم روک لیتا ہے اور یہ مر جاتے ہیں اور پھر مٹی میں مل جاتے ہیں۔ تو اپنی روح بھیجتا ہے اور یہ پیدا ہوتے ہیں۔[5]

④ اگر وہ اپنی روح اور اپنے دم کو واپس لے لے تو تمام بشر اکٹھے فنا ہو جائیں گے اور انسان پھر مٹی میں مل جائے گا۔[6]

انجیل کے ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ ہر انسان میں 'اللہ کی طرف سے روح' ہوتی ہے تو کیا سب خدا ہیں۔

⑤ جناب مسیح علیہ السلام نے فرمایا: جو جسم سے پیدا ہوا ہے، جسم ہے اور جو روح سے پیدا ہوا ہے، روح ہے۔[7]

---

۱ مسیحی لوگ لفظ 'اللہ' سے بدکتے ہیں لیکن ان دونوں مقامات (دوسرا مقام اگلے حوالے میں) پر ان کی اُردو بائبل میں یہی لفظ آیا ہے۔ لہٰذا ان کا کہنا کہ اللہ ایک بت کا نام تھا (نعوذ باللہ) نا قابل التفات ٹھہرا۔

۲ خروج ۳۱:۱-۳

۳ خروج ۳۵:۳۰-۳۳

۴ گنتی ۱۱:۲۹

۵ زبور ۱۰۴:۲۹-۳۰

۶ ایوب ۳۴:۱۴-۱۵

۷ یوحنا ۳:۶

آگے جا کر لکھا ہے: ''خدا روح ہے۔''[1]

اب ہم بائبل سے ہی دیکھتے ہیں کہ خدا سے کون پیدا ہوتے ہیں، سو لکھا ہے:

جس کا یہ ایمان ہے کہ ''یسوع ہی مسیح ہے، وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔''[2]

انجیل یوحنا میں لکھا ہے کہ ''جو جناب مسیح علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں، وہ نہ خون سے، نہ جسم کی خواہش سے، نہ انسان کے ارادہ سے بلکہ خدا سے پیدا ہوئے ہیں۔[3]

مزید لکھا ہے: ''عزیزو! آؤ ہم ایک دوسرے سے محبت رکھیں کیونکہ محبت خدا کی طرف سے ہے اور جو کوئی محبت رکھتا ہے، وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔''[4]

اس طرح عیسائی اور مسلمان تمام کے تمام روح ہوئے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سب مسیح تسلیم کرتے ہیں، نیز محبت کرنے والے لوگ خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھیں، وہ بھی روح ہیں تو کیا ان سب کو مسیحی حضرات خدا ماننے کے لیے تیار ہیں یا اس کا جز اور حصہ تسلیم کریں گے؟

⑥ پولوس نے اپنے مریدین کو کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ تم خدا کا مقدس ہو اور خدا کا روح تم میں بسا ہوا ہے۔[5]

⑦ اپنے متعلق پولوس نے کہا: اور میں سمجھتا ہوں کہ خدا کا روح مجھ میں بھی ہے۔[6] لکھا ہے:

''اے عزیزو ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ خدا کے روح کو تم اس طرح پہچان سکتے ہو کہ جو کوئی روح اقرار کرے کہ یسوع مجسم ہو کر آیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے۔[7]

عربی بائبل میں یہاں روح اللہ اور روح من اللہ کے الفاظ ہیں۔ ظاہر ہے کہ تمام مسیحی ان حوالہ جات کی کوئی نہ کوئی تاویل کر کے ان کا ایسا معنی کریں گے جس سے شرک کی زد سے بچا جا سکے تو جناب مسیح علیہ السلام کے

---

۱ یوحنا ۴:۲۴

۲ یوحنا کا پہلا خط ۵:۱

۳ یوحنا ۱:۱۳

۴ یوحنا کا پہلا خط ۴:۷

۵ کرنتھیوں ۳:۱۶

۶ ۱۔ کرنتھیوں ۷:۴۰

۷ یوحنا کا پہلا خط ۴:۱۔۳

متعلق آنے والے لفظ کی ایسی تفسیر کیوں نہیں ہو سکتی؟

جناب مسیح علیہ السلام کو 'روح منہ' کیوں کہا گیا؟

قرآن مجید میں لفظ روح کئی معانی میں استعمال ہوا ہے، پہلے وہ ملاحظہ کر لیں، پھر آگے چلیں گے:

① فرشتہ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام

﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴾ (الشعراء:۱۹۳)

"اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے۔"

﴿ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴾ (مریم:۱۷)

"اور پردہ ڈال کر اُن سے چھپ بیٹھی تھی اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی طرف سے روح (فرشتے) کو بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک کامل انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا۔"

﴿ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴾ (النحل:۱۰۲)

"اِن سے کہو کہ اِسے تو روح القدس نے ٹھیک ٹھیک میرے ربّ کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور فرماں برداروں کو زندگی کے معاملات میں سیدھی راہ بتائے اور اُنہیں فلاح و سعادت کی خوش خبری دے۔"

﴿ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ﴾ (المجادلہ:۲۲)

"اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی اپنی طرف سے 'روح' کے ساتھ تائید کی۔"

﴿ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴾ (القدر:۴)

"فرشتے اور روح اُس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔"

② انسانی جان:

﴿ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾

"یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو یہ روح امر ربی سے ہے، مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔" (بنی اسرائیل:۸۵)

③ وحی الٰہی:

﴿ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ

﴿ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (الشوریٰ:۵۲)

"اور اِسی طرح (اے محمد!) ہم نے اپنی حکم سے ایک روح (وحی) تمہاری طرف بھیجی ہے۔ تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے؟ مگر اُس روح کو ہم نے ایک روشنی بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔ یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہو۔"

﴿ يُنَزِّلُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ ﴾ (النحل:۲)

"وہ اِس روح (وحی) کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ملائکہ کے ذریعے نازل فرما دیتا ہے (اِس ہدایت کے ساتھ کہ لوگوں کو) آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو۔"

دیکھئے کہ مسیحیوں کا بیان کردہ معنی و مفہوم قرآن مجید کی کسی آیت میں مستعمل نہیں، لہٰذا یہ محض ان کا تحکم اور سینہ زوری ہے۔ بہر حال ان تینوں معانی و مفاہیم کے لحاظ سے عیسیٰ علیہ السلام کو روح منہ کہا جا سکتا ہے:[1]

---

[1] سیدنا مسیح علیہ السلام کو بطورِ خاص کیوں روح منہ کہا گیا جبکہ ساری اَرواح ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں تو امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:
"وَسَمَّاهُ رُوحَهُ، لِأَنَّهُ خَلَقَهُ مِنْ نَفْخِ رُوحِ الْقُدُسِ فِي أُمِّهِ، لَمْ يَخْلُقْهُ كَمَا خَلَقَ غَيْرَهُ مِنْ أَبٍ آدَمِيٍّ." ("الجواب الصحيح لابن تيمية:۳/۳۰۲) "انہیں اپنی طرف سے روح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ روح القدس کے ان کی والدہ میں پھونک مارنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ نے انہیں اس طرح پیدا نہیں کیا، جس طرح دوسرے کو وہ انسانی باپ سے پیدا کرتا ہے۔"
اس کی مزید وضاحت حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے یوں فرمائی: "الرّوح الَّذِي نفخ فِي مَرْيَم: هُوَ الرّوح المُضَاف إِلَى الله، الَّذِي اختصه لنَفسِهِ وأضافه إِلَيْهِ، وَهُوَ روح خَاص من بَين سَائِر الْأَرْوَاح، وَلَيْسَ بِالْملكِ المُوكل بالنفخ فِي بطُون الْحَوَامِل من المُؤمنِينَ وَالْكفَّار؛ فَإِن الله سُبْحَانَهُ وكل بالرحم ملكا ينْفخ الرّوح فِي الْجَنِين، فَيكْتب رزق الْمَوْلُود وأجله وَعَمله وشقاوته وسعادته؛ وَأما هَذَا الرّوح المُرْسل إِلَى مَرْيَم: فَهُوَ روح الله الَّذِي اصطفاه من الْأَرْوَاح لنَفسِهِ؛ فَكَانَ لِمَرْيَم بِمَنْزِلَة الْأَب لسَائِر النَّوْع، فإن نفخته لما دخلت فِي فرجهَا: كَانَ ذَلِك بِمَنْزِلَة لقاح الذّكر للأنثى، من غير أَن يكون هُنَاكَ وَطْء" (الروح: ص۱۵۵)
"وہ روح جو سیدہ مریم علیہا السلام میں پھونکی گئی، اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ اس روح کو اللہ نے اپنے لئے خاص کر کے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اور وہ روح دیگر ارواح کی بہ نسبت خاص راہم ہے۔ اور یہ روح اس فرشتہ کی طرف سے نہ تھی جو مادرِ رحم میں کفار و مؤمنوں کی روح پھونکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رحم کے جنین میں روح پھونکنے کے لئے ایک فرشتہ کی ذمہ داری لگا رکھی ہے جو اللہ کے حکم سے مولود کا رزق، وفات کا وقت، اعمال اور سعادت و بدبختی وغیرہ لکھتا ہے۔ اب جو روح سیدہ

① چونکہ عام طریقہ حمل وولادت سے ہٹ کر ان کی پیدائش کلمہ کُنْ سے ہوئی اس لیے انہیں کلمہ کُنْ کا نتیجہ ہونے کے سبب یہ لقب دیا گیا۔

② جبریل علیہ السلام خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی نوید سنانے کے لیے مقرر ہوئے۔

③ عام طریقہ حمل سے ہٹ کر ان کی روح (انسانی جان) سیدہ مریم علیہا السلام میں پھونکی گئی، اس لیے لقب ملا۔

④ اللہ تعالیٰ نے جناب مسیح علیہ السلام کی خصوصی طور پر مدد و حمایت کی اور انہیں یہود کے چنگل سے بچا کر زندہ آسمان پر اُٹھالیا اور اس مدد و تعاون کے لیے جس خاص فرشتے کو مقرر کیا تھا، اس کا نام بھی روح القدس ہے جیسا کہ قرآن کے تین مقامات پر یہ بات آئی ہے، ملاحظہ ہو:

سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۸۷، ۲۵۳ اور سورۃ المائدۃ، آیت نمبر ۱۱۰

☜ اب ہم آتے ہیں بائبل کی طرف تو آپ نے پیچھے حوالہ جات ملاحظہ فرما لیے کہ لفظ روح مختلف معانی میں آیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ اللہ کا فضل و رحمت، چونکہ جناب مسیح اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و رحمت سے پیدا ہوئے، تو اس کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ ۲۔ انسانی جان ۳۔ وحی الٰہی ۴۔ نبی ۵۔ قدرت[1]

آخری الذکر معنیٰ کے لیے حسبِ ذیل عبارت دیکھیں۔ مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا:

"اگر میں خدا کے روح کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہوں تو خدا کی بادشاہی تمہارے پاس آپہنچی۔"[2]

اسی بات کو انجیل لوقا میں یوں درج کیا گیا ہے: "اگر میں بدروحوں کو خدا کی قدرت سے نکالتا ہوں تو خدا کی بادشاہی تمہارے پاس آپہنچی۔"[3] یعنی روح کا ترجمہ 'قدرت' ہے۔

لہٰذا جناب مسیح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوئے، اس لیے بھی ان پر یہ لقب صادق آسکتا ہے۔

مریم کی طرف بھیجی گئی تو وہ اللہ کی طرف سے وہ روح تھی جس کو اس نے خاص اپنی طرف سے منتخب کیا تھا۔ سو وہ روح سیدہ مریم کے لئے تمام انسانوں کے ہاں باپ کے قائم مقام ہو گئی اور روح القدس کا پھونکنا جب ان میں داخل ہوا تو وہ مؤنث کے لئے مرد کے داخل ہونے کے قائم مقام ہو گیا، مگر یہاں کوئی جماع وغیرہ نہیں ہوا۔" (ح۔م)

۱ متی ۱۲:۲۸، لوقا ۱۱:۲۰

۲ متی ۱۲:۲۸

۳ لوقا ۱۱:۲۰

اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فضائل میں اشتراک

محمد نعمان فاروقی

نبی کریم ﷺ اپنے لیے وہی مقام اور مرتبہ پسند فرماتے تھے جو اللہ نے آپ کو عطا کیا تھا۔ از حد محبت سے جنم لینے والے غلو کو آپ ﷺ نے اپنے لیے بھی پسند نہیں فرمایا، چہ جائیکہ کوئی آپ کے صحابہ یا اہل بیت کے متعلق غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لے۔ غلو سے احتیاط کے متعلق چند فرامین نبویہ یہ ہیں:

① بنو عامر کا وفد بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا تو شرکائے وفد نے بایں الفاظ عقیدت کے پھول نچھاور کیے: ''آپ ہمارے سردار ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''حقیقی سردار اللہ تعالیٰ ہے۔'' اُنہوں نے عرض کیا: ''آپ ہم سب سے انتہائی برتر، افضل ترین اور صاحبِ جود و سخا ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُولُوا بِقَوْلِكُمْ أَوْ بَعْضِ قَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ»[1]

''اپنی بات یا اس سے کچھ ملتی جلتی کہہ لیا کرو لیکن شیطان تمہیں کسی صورت اپنے جال میں نہ پھنسالے۔''

یعنی 'ہمارے سردار' جیسے الفاظ کہنے ہیں تو شیطان کے حملوں سے محفوظ بھی رہنا ہے۔

② ایک حدیث میں ہے: «أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولُ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَا رَفَعَنِيَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ»[2] ''میں محمد بن عبداللہ، اللہ کا رسول ہوں، اللہ کی قسم! مجھے پسند نہیں کہ تم مجھے اس مقام سے بلند تر کرو جس پر اللہ نے مجھے فائق کیا ہے۔''

③ ایک اور حدیث میں ہے: «لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ»[3]

''تم مجھے اس قدر بڑھا چڑھا نہ دینا جیسے عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بڑھا چڑھا دیا تھا۔''

یہ مبالغہ آرائی دین کے نام پر ہوتی ہے، اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے دین کے کسی بھی معاملے میں غلو سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ...»[4] ''دین میں غلو کرنے سے بچو۔''

---

۱ سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في كراهية التمادح:۴۸۰۶

۲ مسند احمد بن حنبل :۲۴۱/۳

۳ صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله واذكر فى الكتاب مريم:رقم۳۴۴۵

۴ مسند أحمد، مسند بني هاشم:رقم۳۲۴۸

یہود کٹ حجتی، ضد اور تعصّب کی وجہ سے عذاب میں گرفتار تھے تو نصاریٰ کی ہلاکت خیزی ان کے غلوّ کے باعث ہوئی۔ جب دین کے کسی حکم میں، کسی معاملے میں حتی کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات میں غلو اور از حد مبالغہ آرائی سے روکا گیا ہے تو پھر آپ کے اہل بیت یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں غلو کی اجازت کیونکر ہو سکتی ہے؟

شخصیات میں غلو جہاں عقیدے میں خلل کا باعث بن سکتا ہے وہاں غیر اللہ کی محبت کو اللہ کی محبت پر غالب بھی کر سکتا ہے، اور عموماً ایسا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے شخصیات جس قدر بھی عظیم الشان اور جلیل القدر ہوں ان کے بارے میں افراط و تفریط سے ہٹ کر اسلام کا اعتدال پسندانہ طرزِ فکر کسی صورت دھندلانا نہیں چاہیے۔ قرآن وحدیث میں جن کے جو فضائل ثابت ہیں انھیں افراط و تفریط کے بغیر قبول کرنا چاہیے۔

یہاں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ فضائل ومناقب کے باب میں قرآن وسنت کی نصوص ہی معتبر ہیں۔ اور فضائل دو طرح کے ہیں:

۱۔ عمومی فضائل ومناقب ۲۔ خصوصی فضائل ومناقب

① عمومی فضائل کی بھی دو قسمیں ہیں:

الف) ایک تو وہ فضائل ہیں جو قرآن وسنت میں اہل بیت یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ثابت ہیں، ان فضائل سے نہ تو اپنے طور پر کسی کو محروم رکھا جا سکتا ہے اور نہ کسی کو اپنی مرضی سے حقدار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ نہ کوئی اپنی مرضی سے شرفِ صحابیت حاصل کر سکتا ہے اور نہ کسی صحابی کو اس سے محروم رکھا جا سکتا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ کئی لوگ جلیل القدر صحابہ کو شرفِ صحابیت سے محروم کرنے کی اور جو صحابی نہیں تھے جیسے جناب ابو طالب، تو ان کو صحابی بنانے کی سعی لا حاصل میں لگے رہتے ہیں۔

ب) عمومی فضائل میں دوسری قسم ایسے اوصاف پر مشتمل ہے جس میں ہر اُمتی شریک ہو سکتا ہے جیسے محسنین، متقین، مستقدمین اور مؤمنین وغیرہ۔

② خصوصی فضائل ومناقب سے مراد وہ فضائل ہیں جو اہل بیت یا صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے لیے یا اُمت کے کسی خاص فرد کے لیے ثابت ہیں جیسے اویس قرنی اور امام مہدی کے بارے میں۔

فضائل کے باب میں چونکہ اعتبار نصوص اور روایت کا ہے کیونکہ فضائل اجتہاد سے ثابت نہیں ہوتے، اس لیے قرآن وسنت میں جس جس کے عمومی یا خصوصی جو جو فضائل ثابت ہیں انھیں اپنے اصلی مفہوم میں سمجھنا، ان کا اظہار کرنا اور ان کے بارے میں اپنے ذاتی رجحانات سے بچنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل سے گریزاں رہے، بلکہ انکار کرے تو ایسے کج فکر شخص کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اہمیت قرآن وسنت کو نہیں بلکہ اپنے رجحان ومیلان کو دے رہا ہے۔ اور یہی حال اس کا ہوگا جو اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایسا کرے۔

اگر قرآن وسنت کے مطابق ذہن بنایا ہو تو پھر ہر ایک کے بارے میں رویہ اور طرزِ فکر عادلانہ اور یکساں ہونا چاہیے۔ مگر ہمارے ہاں عموماً ذاتی اور حزبی رجحانات غالب ہوتے ہیں اور ہم ہر بات، واقعے اور سانحے کو اپنی خود ساختہ میزان میں تولنے کے عادی ہیں۔

جس دن نبی کریم ﷺ کے لختِ جگر ابراہیم اس دنیا سے رخصت ہوئے، اسی دن سورج گرہن ہوا۔ لوگ کہنے لگے کہ سورج گرہن ابراہیم کی وفات کی وجہ سے ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَصَلُّوا» [1]

"سورج اور چاند نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے گہناتے ہیں اور نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے بلکہ وہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جب تم اللہ کی نشانیاں دیکھو تو نماز پڑھا کرو۔"

لوگوں کا جو موقف سامنے آیا، وہ ابراہیم کی وفات کے باعث سورج گرہن کا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے ساتھ چاند کو بھی ملایا اور دوسری طرف موت کی ضد زندگی کا تذکرہ کیا اور پھر ایسے موقف کی کھلی تردید کر دی جو کائنات کے کسی تصرف کو کسی عظیم شخصیت کی موت وحیات سے منسلک کرتا ہو۔ یہ فکری تربیت فرما کر اس کائنات میں اللہ کے سوا کسی کے تصرف کی کلی نفی فرما دی۔

اگر کئی لوگوں نے کائنات کی ان نشانیوں کو تو کیا، خود کائنات ہی کو مخلوق میں سے کسی کے رحم وکرم پر مانا ہوا ہے اور وہ معمولی تصرف تو کیا پوری کائنات کا متصرف کسی اور کو مانتے ہوں تو ایسے نظریے کے اسلام سے متصادم ہونے کے لیے اور کون سی دلیل درکار ہے...؟

ذیل میں ہم ایک موازنہ پیش کرنا چاہتے ہیں جس کا مدعا یہ ہے کہ قرآن وسنت میں اہل بیت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایسے فضائل جن میں باہمی طور پر معنوی مشابہت پائی جاتی ہے حتیٰ کہ بعض فضائل میں لفظی مشابہت بھی موجود ہے، وہ سامنے لائے جائیں تاکہ لوگوں کی یہ ذہن سازی ہوسکے کہ یہ دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو اور کرنیں ہیں۔ اگر اہمیت زبان نبوت ورسالت کو دی گئی ہے تو پھر اس سے صادر ہونے والے

---

[1] صحيح البخاري، أبواب الكسوف، باب الصلاة فى كسوف الشمس: رقم ۱۰۴۲، ۱۰۴۳

ایک ایک حرف کو اہمیت حاصل ہونی چاہیے۔ پھر اپنے ذاتی رجحانات اور پسند وناپسند اس کے تابع ہونی چاہیے اور اگر اہمیت اپنے نظریات اور شخصیات کے خود ساختہ تصور کو دی گئی ہے تو اس کے لیے قرآن وسنت کے دلائل کی یا انھیں تاویلوں کی بھینٹ چڑھانے کی ضرورت نہیں، اس کے لیے انسان کا نفس ہی کافی ہے جو اسے دین کے معاملے میں بھی ذاتی چاہتوں کا سرور دیتا رہتا ہے اور اسے مطمئن بھی رکھتا ہے۔

ذیل میں اہل بیت اور صحابہ کرام، دونوں کے ملتے جلتے فضائل کو پیش کرکے، ان کا تقابلی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس موازنے سے دعوت کسی خاص فریق کو نہیں، ہر ایک کو ہے!!

اوّل: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

نبی کریم ﷺ نے غدیر خم کے موقع پر فرمایا تھا کہ "میں تم میں دو گراں مایہ چیزیں چھوڑے جارہا ہوں: ایک کتاب اللہ اور دوسری میرے اہل بیت۔" حدیث طویل ہے، اسی میں آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: «أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي» "میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔"

فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «اِحْفَظُونِي فِي أَصْحَابِي»[2] "میرے صحابہ کے بارے میں میرا خیال رکھو۔"

اسی طرح فرمایا: «لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي» "میرے صحابہ کے بارے کوئی بھی نازیبا انداز اختیار نہ کرو۔"[3]

موازنہ: اہل بیت کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کی یاد دلاتا ہوں اور صحابہ کے بارے میں فرمایا کہ میرے صحابہ کے بارے میں میری لاج رکھنا۔ اہل بیت کے بارے میں اس حکم کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ان کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔ ان کے بارے میں نامناسب ذہن یا رویہ نہ رکھا جائے۔ اور «اِحْفَظُونِي فِي أَصْحَابِي» کا بھی قریب قریب یہی مفہوم ہے۔ کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے تو محتاط رویہ رکھے اور ان کی شان بیان کرے مگر اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں غیر محتاط رویہ رکھے تو وہ غلط ہے۔ اور اگر کوئی اہل بیت کا ادب واحترام اور شان بیان کرے مگر صحابہ کے بارے میں غیر محتاط رویہ اختیار کرے تو وہ بھی غلط ہے کیونکہ زبانِ نبوت سے دونوں کے بارے میں محتاط رویہ اختیار کرنے کی تعلیم ہے حتیٰ کہ قرآنِ مجید میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ بعد والے

---

۱ صحيح مسلم ،كتاب الفضائل، باب من فضائل علي بن أبي طالب: رقم ۶۲۲۵

۲ سنن ابن ماجه، أبواب الأحكام، باب الرجل عنده الشهادة لا يعلم بها صاحبها: رقم ۲۳۶۳

۳ صحيح البخاري، كتاب أصحاب النبي ﷺ، باب قول النبي ﷺ لو كنت متخذا خليلا: رقم ۳۶۷۳

یہی دعا کرتے ہیں:

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾ (الحشر ۵۹:۱۰)

''اے ہمارے ربّ! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی کینہ نہ رکھنا۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت ہی شفقت اور رحم فرمانے والا ہے۔''

دوم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

غدیر خم والی سابقہ حدیث کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ

«إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي، الثَّقَلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الأَرْضِ، وَعِتْرَتِي أَهْلُ بَيْتِي أَلَا وَإِنَّهُمَا لَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ»[1]

''میں تم میں وہ کچھ چھوڑ کے جارہا ہوں اگر تم اسے تھامے رکھو گے تو میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے، وہ دو انتہائی گراں مایہ ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ اللہ کی کتاب جو رسی کی شکل میں آسمان سے زمین تک پھیلا دی گئی ہے اور میرے اہل بیت۔ اور بے شک وہ دونوں جدا نہیں ہوں گے حتی کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے۔''

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن نماز فجر کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بڑا فصیح و بلیغ خطاب فرمایا۔ اس کی اثر آفرینی یہ تھی کہ آنکھیں اشک بار اور دل سہمے ہوئے تھے۔ اسی وعظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي، يَرَى اخْتِلَافاً كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ بَعْدِي عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ...»[2]

---

۱ مسند أحمد: مسند الأنصار، حديث زيد بن ثابت: ۳/۱۴، رقم ۲۱۵۷۸

۲ السلسلة الصحيحة للشيخ محمد ناصر الدين الألباني: رقم ۲۷۳۵

''میں تمہیں اللہ کے تقوے اور سمع و طاعت کی تلقین کرتا ہوں اگرچہ تمہارا امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ تو تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت سا اختلاف دیکھے گا، لہٰذا تم میری اور میرے بعد میرے خلفاء کی سنت اور طریقے کو اختیار کرنا، وہ خلفاء جو بھلائی کے خوگر اور اسی کو ترویج دینے والے اور ہدایت یافتہ ہیں۔ تم انتہائی مضبوطی سے اسے تھام کر رکھنا۔''

موازنہ: «عِتْرَتِي» والی حدیث میں بھی یہ الفاظِ نبوی ہیں کہ ''قریب ہے کہ میرے ربّ کا فرشتہ (پیغام وفات لے کر) آجائے اسی طرح خلفائے راشدین والی حدیث میں بھی صحابہ نے وعظ کی اہمیت سے یہی سمجھا کہ كَأَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ ''گویا کہ یہ الوداعی وعظ ہے۔'' اور صحابہ نے آپ ﷺ سے اس کا اظہار بھی کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ الفاظ ارشاد فرمائے جو اوپر درج ہیں۔ گویا نبی ﷺ نے بھی یہ تسلیم کیا کہ یہ آخری وعظوں میں سے ہے۔ اور حدیثِ غدیر خُم بھی ۱۰ ہجری کے آخری مہینے یعنی ذوالحجہ کی بات ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے اہل بیت اور خلفائے راشدین دونوں کی اطاعت و وابستگی کو ہدایت قرار دیا اور ان سے وابستگی کو گمراہی سے تحفظ قرار دیا۔ یاد رہے! اہل بیت میں آپ ﷺ کی ازواج شامل ہیں۔ اگر انہیں یا ان سے مروی احادیث مبارکہ کو دین سے نکال دیا جائے تو دین میں ایک بہت بڑا خلا نظر آتا ہے۔ جو بجائے خود گمراہی کا ایک بہت بڑا سبب بن سکتا ہے۔

ہاں! جیسے خلفاء کے ساتھ راشدین (صحیح راہ نما) اور مَهْدِيين (ہدایت یافتہ) ہونے کی قید لگائی گئی ہے، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خلفاء، صحابہ اور اہل بیت میں سے اسی فعل کی اتباع ہوگی جو مذکورہ اوصافِ راشدہ کا حامل ہو، بصورت دیگر کسی وقتی یا ذاتی فیصلے میں ان کی اتباع کی پابندی ضروری نہیں۔ جیسے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں طلاق کی شرح میں اضافے کے پیش نظر طلاق ثلاثہ کو ایک قرار دے دیا۔

«تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ ...» والی حدیث کو بھی ملالیں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ جلیل القدر شخصیات میں سے جس جس کا اقدام کتاب و سنت کے موافق ہے، اسے قبول کرنا ہے اور ناموافق کو چھوڑ دینا ہے۔ جیسے ہم نماز میں درودِ ابراہیمی میں 'آلِ ابراہیم' پڑھتے ہیں، حالانکہ قرآنِ مجید میں ہے کہ آلِ ابراہیم میں سے مؤمن بھی تھے اور ظالم بھی۔ تو ظاہر ہے یہ دعا یا تشبیہ ان ظالم آلِ ابراہیم کے لیے تو نہیں۔

اتنا ضرور ہے کہ خلفائے راشدین کے مقابلے میں «عِتْرَتِي» کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ کتاب اللہ اور «عِتْرَتِي» ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوں گے اور دونوں اکٹھے ہی حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔ یہ اہل بیت کی انفرادی شان ہے۔ مگر اُمت کے فکر و عمل کے اعتبار سے دونوں ہی اہمیت کے حامل

ہیں کیونکہ خلفائے راشدین کے بارے میں بھی یہ فرمایا گیا کہ میری اور میرے خلفاء کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور دوسری حدیث میں "نجات یافتہ اُمت کا گروہ اسے قرار دیا گیا جس پر آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ (بشمول اہل بیت رضی اللہ عنہم) ہیں۔"[1]

نوٹ: حسب ذیل حدیث کو ضعیف ہونے کی بنا پر شامل نہیں کیا گیا:

«اَللّٰـهَ اَللّٰـهَ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوهُ غَرَضًا بَعْدِي...»[2]

"میرے صحابہ کے بارے اللہ سے ڈر جاؤ۔ اللہ کو یاد رکھو، انھیں میرے بعد تختۂ مشق نہ بنانا۔"

اسی طرح آپ ﷺ کی طرف منسوب اس قول کو من گھڑت ہونے کی بنا پر درج نہیں کیا گیا۔

«أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ»[3]

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔"

سوم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي، فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي»

"فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے انھیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔"[4]

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث میں آپ ﷺ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

«إِنَّ اللّٰـهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ. وَقَالَ أَبُوبَكْرٍ: صَدَقَ. وَوَاسَانِي بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي. مَرَّتَيْنِ فَمَا أُوذِيَ بَعْدَهَا»[5]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف مجھے مبعوث فرمایا، تو تم نے میرے بارے میں کہا کہ تم غلط کہتے ہو اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے سچ فرمایا اور اُنہوں نے اپنی جان اور مال سے مجھے سپورٹ

---

۱ جامع الترمذي: أَبْوَابُ الْإِيمَانِ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ (بَابُ مَا جَاءَ فِي افْتِرَاقِ هَذِهِ الْأُمَّةِ)، رقم ۲۶۴۱، حسن

۲ السلسلة الضعيفة للشيخ محمد ناصر الدين الألباني: رقم ۲۹۰۱

۳ السلسلة الضعيفة: ۱/۱۴۴، رقم: ۵۸

۴ صحيح البخاري، كتاب أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب فاطمة رضي الله عنها: رقم ۳۷۶۷

۵ صحيح البخاري، كتاب أصحاب النبي ﷺ، باب قول النبي ﷺ لو كنت متخذا خليلا: ۳۶۶۱

کیا ہے تو کیا تم میرے لیے میرے رفیق ابو بکر صدیق کو چھوڑ سکتے ہو۔ یہ آپ نے دو مرتبہ فرمایا۔ اس فرمان کے بعد پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کوئی اذیت نہیں دی گئی۔"

موازنہ: سیدہ فاطمہؓ کو ناراض نہ کرنے کی تلقین نبوی ہے تو دوسری طرف سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو ناراض کرنے پر نبی کریم ﷺ کا یہ انداز ان سے گہری محبت کا اظہار اور اُمت کو ان کے بارے میں محتاط رویہ اختیار کرنے کی تلقین ہے۔ اسی لیے تو حدیث میں بھی الفاظ ہیں کہ پھر اس واقعے کے بعد انہیں اذیت نہیں پہنچائی گئی۔ سیدہ فاطمہ کے بارے میں بھی آپ نے اپنے جذبات کا اظہار اس وقت فرمایا جب سبب پیدا ہوا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اس وقت آپ نے فرمایا جب سبب سامنے آیا۔ اسلوب مختلف ہیں اور مفہوم ایک!

چہارم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

سیدنا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ»[1]

"حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔"

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

سیدنا شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَانِ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْـجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخَرِيْنَ، إِلَّا النَّبِيِّـيْنَ وَالْـمُرسَلِيْنَ»[2]

"یہ دونوں (سیدنا ابو بکرؓ و عمرؓ) انبیاء و رسل عظام کے سوا ادھیڑ عمر میں فوت ہو کر جنت میں جانے والوں کے سردار ہوں گے۔"

موازنہ: پہلی حدیث میں جنتی نوجوانوں کے سردار سیدنا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو بتایا گیا ہے اور دوسری میں سیدنا شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو جنت کے ادھیڑ عمر لوگوں کا سردار بتایا گیا ہے۔ یاد رہے! پہلی حدیث میں اشارۃً اور دوسری حدیث میں صراحۃً جنت میں نوجوانوں اور عمر رسیدہ لوگوں کی تقسیم سے یہ مراد ہے کہ جو عالم جوانی میں فوت ہوں گے اور جو ادھیڑ عمر میں فوت ہوں گے۔ کیونکہ جنت میں سب جوان ہی ہوں گے۔ اور

---

۱ جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب أبي محمد الحسن بن علي بن أبي طالب...: رقم ۳۷۶۸

۲ جامع الترمذي: أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللهِ (بَابٌ اِقتَدُوا بِالَّذَينَ مِن بَعدِى اَبِى بَكرٍ وَعُمَرَ)، رقم ۳۶۶۵

شیخین والی حدیث میں جو یہ فرمایا گیا کہ پہلی امتوں اور اس امت کے جنتی افراد کے سردار ہوں گے سوائے انبیاء و مرسلین کے تو اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انبیاء و رسل کے علاوہ سب کے سردار سیدنا ابو بکرؓ و عمرؓ ہوں گے اور نوجوانوں کے سردار سیدنا حسنؓ و حسینؓ ہوں گے۔ یہی دونوں احادیث مبارکہ کا صحیح مفہوم ہے۔ لیکن برا ہو تعصّب کا کہ ایک کو جنت کا مالک بنا دیا گیا اور ایک کو اپنے طور پر جنت سے محروم کر دیا گیا۔

پنجم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ»[1]

"حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔"

اسی طرح نبی ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی فرمایا:

«أَمَّا عَلِيٌّ فَهُوَ مِنِّي وَ أَنَا مِنْهُ»[2]

"رہے علی! تو وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔"

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْأَشْعَرِيِّينَ إِذَا أَرْمَلُوا فِي الْغَزْوِ، أَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بِالْمَدِينَةِ جَمَعُوا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ اقْتَسَمُوا بَيْنَهُمْ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ، فَهُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ»[3]

"اشعری قبیلے کے افراد ایسے ہیں کہ انہیں سفر میں کوئی ضرورت پیش آجائے یا شہر میں رہتے ہوئے ان کا کھانا کنبے کو پورا نہ آسکے تو وہ جتنے افراد ہوں ان کے پاس جو جو بھی ہو وہ کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں پھر ایک برتن سے بھر بھر کر آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ لہٰذا وہ مجھ سے اور میں

---

۱ جامع الترمذي: أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللهِ (بَابُ مَنَاقِبِ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَخِي عَلِيٍّ)، رقم ۳۷۷۵

۲ المستدرك للحاكم: ۱۳۰/۳

۳ صحيح البخاري: كِتَابُ الشَّرِكَةِ (بَابُ الشَّرِكَةِ فِي الطَّعَامِ وَالنَّهْدِ وَالعُرُوضِ)، رقم ۲۴۸۶

ان سے ہوں۔"

موازنہ: «هُوَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ» اظہارِ محبت کا ایک کلمہ ہے جو کسی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے عربی میں مستعمل ہے۔ اگر یہ صرف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں زبانِ نبوت سے جاری ہوتا تو اس سے نہ جانے کیا کیا مطلب اخذ کیا جاتا۔ یہ جملہ آپ ﷺ نے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا ہے اور اپنے اسی تعلق کا اظہار کئی احادیثِ مبارکہ میں بعد والے اُمتیوں کے بارے میں بھی فرمایا ہے۔ اس قسم کے الفاظ صرف صحابہ کے لیے نہیں بعد والوں کے حق میں بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمائے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

"...اور جس نے حکمرانوں کے جھوٹ میں ان کی تصدیق نہ کی اور ظلم وجور پر ان کی مدد نہ کی تو ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: «هُم مِنِّي وَ أَنَا مِنْهُمْ»[1] "وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔"

زبانِ نبوت سے صادر ہونے والے ایک ہی طرح کے کلمات جو متعدد شخصیات کے بارے میں ہوں، ان سے علیحدہ علیحدہ مفہوم لینا درست نہیں۔

ششم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

حدیثِ مذکور میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا»[2]

"اللہ اس سے محبت کرے جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا»[3]

"بے شک میں ان دونوں (حسن وحسین رضی اللہ عنہما) سے محبت کرتا ہوں، لہٰذا اے اللہ! تو بھی ان سے محبت کر اور اس سے بھی محبت کر جو ان دونوں سے محبت کرے۔"

---

۱ مسند أحمد بن حنبل: ۳/۳۲۱

۲ جامع الترمذي: أبواب المناقب، باب: رقم ۳۷۷۵، حسن

۳ جامع الترمذي: أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللهِ (بَابُ مَنَاقِبِ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَخِي عَلِيٍّ)، رقم ۳۷۶۹

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ عُبَيْدَكَ هٰذَا - يَعْنِي أَبَا هُرَيْرَةَ - وَأُمَّهُ إِلَى عِبَادِكَ الْـمُؤْمِنِينَ وَحَبِّبْ إِلَيْهِمُ الْـمُؤْمِنِينَ»[1]

"اے اللہ! اپنے اس عاجز سے بندے کو اور اس کی والدہ کو اپنے مومن بندوں کے ہاں محبوب بنا دے اور ان کے ہاں مؤمنوں کو محبوب بنادے۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"قیامت تک جو بھی مؤمن آئے گا، وہ مجھے دیکھے گا تو نہیں لیکن مجھ سے محبت ضرور کرے گا۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے انصار کے متعلق فرمایا:

«فَمَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللّٰـهُ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللّٰـهُ»[2]

"جو ان سے محبت کرے اللہ بھی ان سے محبت کرے اور جو ان سے بغض رکھے، اللہ بھی ان سے دشمنی رکھے۔"

ایک حدیث میں تو آپ ﷺ نے سیدنا حسن اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے لیے وہی دعا فرمائی جو اوپر مذکور ہے: «اللَّهُمَّ أَحِبَّهُمَا، فَإِنِّي أُحِبُّهُمَا»[3]

موازنہ: اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ سے محبت کا حصول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی محبت سے وابستہ کیا گیا ہے تو دوسری طرف، سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اور جملہ انصار کو بھی اس بلند مقام پر فائز کیا گیا کہ جو ان سے محبت کرتا ہے اللہ اس سے محبت کرے۔ لیکن ایک فرق ضرور ہے کہ انصار کے تذکرے میں انصار سے محبت کے ساتھ ساتھ ان سے بغض وعداوت کی سزا بھی بتائی گئی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والے نہیں ہوں گے مگر انصار اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والے موجود ہوں گے۔ اگر دیکھا جائے تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعائے نبوی اس لیے نہیں تھی کہ باقی کسی سے اللہ کی محبت نہ ہو بلکہ بعض

---

۱ صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي هريرة: رقم ۲۴۹۱

۲ صحيح البخاري: كتاب مناقب الأنصار، باب حب الأنصار: رقم ۳۷۸۳

۳ صحيح البخاري: كِتَابُ فَضَائِلِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ (بَابُ ذِكْرِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ)، رقم ۳۷۳۵

اوقات کسی خاص پس منظر میں بات ہوتی ہے، اسی طرح اگر انصار کے بارے میں آپ نے یہ فرمایا تو اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ مہاجرین سے محبت کرنے والوں سے اللہ محبت نہ کرے۔

ہفتم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

نبی ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں، دوبارہ سرگوشی کی تو ہنسنے لگیں۔ ان کے رونے کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ نے دنیا سے اپنی رخصتی کا بتایا تھا اور خوش اس لیے ہوئیں کہ آپ ﷺ نے انہیں بشارت دی کہ «أَنِّي أَوَّلُ مَنْ يَتْبَعُهُ مِنْ أَهْلِهِ فَضَحِكْتُ»[1]

''میں اہل بیت میں سے پہلی ہوں گی جو آپ ﷺ کے بعد آپ کے پیچھے (دنیا سے) جاؤں گی۔

تو میں ہنسنے لگی۔''

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

اہل سنّت کے تمام مسالک کے نزدیک اُمّہات المؤمنین اہل بیت میں شامل ہیں مگر شیعہ انھیں ان میں شمار نہیں کرتے۔ ذیل کا تقابل انہی کے لیے کیا جارہا ہے۔ اس لیے زینب رضی اللہ عنہا کا شمار صحابہ میں کیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «أَسْرَعُكُنَّ لِحَاقًا بِي أَطْوَلُكُنَّ يَدًا»[2]

''تم میں سے سب سے جلدی مجھ سے ملنے والی وہ ہوں گی جن کا ہاتھ کھلا ہے۔''

موازنہ: نبی کریم ﷺ نے اہل بیت میں سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نامزد کر کے بشارت دی مگر ازواج کو اشارۃً بشارت دی۔ اور اس بشارت میں دونوں کی بابت اپنے اپنے وقت پر دنیا سے رخصت ہو کر آپ ﷺ سے ملنے کا تذکرہ ہے۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو نبی ﷺ سے ملنے کا شوق تھا، وہ اس اعزاز کے لیے اپنا جائزہ لیتی رہیں۔ پھر جب نبی ﷺ کی وفات کے بعد سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو انہیں پتہ چلا۔ سیدہ زینب کے ہاتھ بہت کھلے تھے یعنی وہ اپنے ہاتھوں سے سخاوت بہت کیا کرتی تھیں۔ الغرض! دونوں کے لیے بشارت تھی اور یہ بشارت دونوں کے لیے اعزاز تھی۔ یہ حدیث دوسری ازواج کے آپ سے دارِ آخرت میں ملنے اور جنت میں آپ ﷺ کی معیت میں ہونے کی بھی واضح دلیل ہے۔

---

۱ صحیح مسلم: كِتَابُ فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ (بَابُ فَضَائِلِ فَاطِمَةَ بِنْتِ النَّبِيِّ ﷺ)، رقم ۶۳۱۲

۲ صحیح مسلم: كِتَابُ فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ (بَابُ مِنْ فَضَائِلِ زَيْنَبَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ)، رقم ۶۳۱۶

ہشتم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

نبی ﷺ نے فرمایا: «سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ حَمْزَةُ»[1]

"سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہداء کے سردار ہیں۔"

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

حدیثِ مذکور کا دوسرا حصہ یہ ہے:

«وَرَجُلٌ قَامَ إِلَى إِمَامٍ جَائِرٍ فَأَمَرَهُ وَنَهَاهُ فَقَتَلَهُ»[2]

"اور وہ شخص بھی شہداء کا سردار ہے جو کسی ظالم و جابر حکمران کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے تو وہ حکمران اسے قتل کر دے۔"

موازنہ: 'سید الشہداء' کا شرف اور اعزاز یقیناً سیدنا حمزہ کے لیے بہت قابل قدر ہے مگر یہ اعزاز مذکورہ صفات کے حامل شخص کے لیے بھی ہے۔

نہم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے وعدہ کیا کہ

«لَا يُحِبُّنِي إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُنِي إِلَّا مُنَافِقٌ»[3]

"مجھ سے مؤمن ہی محبت کرے گا اور مجھ سے منافق ہی بغض رکھے گا۔"

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

نبی ﷺ نے انصار کے بارے میں فرمایا:

«الأَنْصَارُ لاَ يُحِبُّهُمْ إِلاَّ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يُبْغِضُهُمْ إِلاَّ مُنَافِقٌ»[4]

"انصار سے محض مؤمن ہی محبت کرے گا اور منافق ہی بغض رکھے گا۔"

---

۱ السلسلة الصحيحة: رقم ۳۷۴

۲ السلسلة الصحيحة: رقم ۳۷۴

۳ صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن حب الأنصار وعلى: رقم ۲۴۹

۴ صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب حب الأنصار: رقم ۳۷۸۳

موازنہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ایمان و نفاق کا پیمانہ ہیں تو دوسری طرف تمام انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایمان و نفاق کی کسوٹی ہیں۔ دونوں کو زبانِ نبوت سے یہ اعزاز ملا ہے۔ اگر اہمیت زبانِ نبوت کو ہو تو دونوں کے اس اعزاز کو منظر عام پر لایا جائے۔ کسی بھی ایک طرف کو بہت اہمیت دینا اور دوسری طرف کا تذکرہ نہ کرنا بلکہ نعوذ باللہ انھی کو ہی منافق قرار دینا جو زبانِ نبوت سے ایمان و نفاق معلوم کرنے کی کسوٹی قرار پائے! یہ عدل وانصاف سے بالکل ہٹی ہوئی بات ہے۔ یہاں یہ فرق بھی ضروری ہے کہ اگر کسی نامناسب موقف کی تردید دلائل کی روشنی میں کی جارہی ہو تو اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت رضی اللہ عنہم کے کسی فرد سے بغض تصور نہ کیا جائے۔

دہم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴾ (الاحزاب:۳۳:۳۳)

"اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔"

اُمّت کے فضائل

عمومی طور پر اُمّتِ مسلمہ کے متعلق فرمایا: ﴿ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ ﴾

"اور لیکن اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے۔" (المائدۃ ۵:۶)

موازنہ: اہل بیت، جن میں ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں، ان کو آیتِ مذکور میں خاص اعزاز سے نوازا گیا ہے۔ اگرچہ سورۂ نساء کی آیت میں انداز بعینہٖ وہی تو نہیں مگر خاصی حد تک ملتا جلتا ہے۔ اہل بیت اور عام اُمتی کا کوئی تقابل نہیں لیکن یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ باقی مسلمان اور خصوصاً جو قرآن کے اوّلین مخاطبین تھے، وہ بھی تطہیر کے عمل سے گزرے تھے۔ اس لیے پانچ کو پاک قرار دینا اور باقی اصحاب کے بارے میں نامناسب رویہ اختیار کرنا کسی طور درست نہیں۔ کیونکہ فرق مراتب کے باوجود تطہیر کا ارادۂ الٰہی ساری امت سے بھی ہے۔

یازدہم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کعبہ میں ولادت کی بات مشہور ہے، گو یہ مستند ذریعے سے ثابت نہیں۔ تاہم اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی کعبہ میں ولادت ہوئی۔[1]

موازنہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت کی دلیل کتب سے تو ہمیں نہیں ملی۔ بالفرض اس کو مان بھی لیا جائے، تو پھر بھی یہ سعادت دیگر صحابہ کو بھی حاصل ہوئی۔ اور اگر یہ ایسے کسی اعزاز کی بات ہوتی تو کم از کم نبی ﷺ کی ولادت بھی تو کعبۃ اللہ میں ہونی چاہیے تھی۔

دوازدہم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ»[2]

''جس جس کا میں دوست ہوں، علی بھی اس کے دوست ہیں۔ اے اللہ! جو اسے دوست رکھے اسے تو بھی دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔''

اسی حدیث کے پیش نظر 'علی مولا' کا نعرہ عام ہے۔

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا»[3]

''تم ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہو۔''

علاوہ ازیں نبی ﷺ نے جنہیں اپنا دوست بنائے رکھا اور سفر و حضر، مشکل و آسانی، جلوت اور خلوت میں جو ساتھ رہے۔ جن کے بارے میں خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ سے اکثر سنا کرتا تھا کہ ''میں، ابو بکر اور عمر گئے۔ میں، ابو بکر اور عمر آئے۔'' وہ بھی تو نبی ﷺ کے دوست تھے۔ ایسے دوست کہ اللہ تعالیٰ نے ساتھ جگہ بھی نصیب فرمادی۔

موازنہ: 'مولا' کے لغت میں ۱۸ معانی درج ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے ان نبوی الفاظ کے معنی دوست کے ہیں

---

۱ سیر أعلام النبلاء: ۴۶/۳

۲ مسند أحمد بن حنبل: ۱۱۹/۱

۳ المستدرك للحاكم: ۱۳۰/۳

جیسا کہ آخری دعائیہ الفاظ مفہوم متعین کر رہے ہیں کیونکہ وہاں وَالِ کے مقابلے میں عادِ استعمال ہوا ہے۔ اور 'مولا' کے الفاظ نبی ﷺ نے سیدنا زید کے بارے میں بھی فرمائے۔

'مولیٰ' کے ایک معنیٰ 'آزاد کردہ غلام' کے بھی ہیں اور سیدنا زید آزاد کردہ غلام تو تھے ہی لیکن حدیثِ مذکور میں آپ ﷺ سیدنا زید کو اضافی اعزاز مرحمت فرما رہے تھے کیونکہ جو مرتبہ پہلے سے حاصل تھا، اس کے اظہار کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔

سیز دہم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی نبی ﷺ نے فرمائی۔ ارشادِ نبوی ہے:

«قَامَ مِنْ عِنْدِی جِبْرِیلُ قَبْلُ فَحَدَّثَنِي أَنَّ الْحُسَيْنَ يُقْتَلُ بِشَطِّ الْفُرَاتِ»[1]

"اس سے پہلے جبریل میرے پاس سے اُٹھ کر گئے ہیں، اُنہوں نے مجھے بتایا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کو فرات کے ساحل پر شہید کیا جائے گا۔"

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

آپ ﷺ نے سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت کی پیش گوئی فرمائی۔ نبی کریم ﷺ، ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اُحد پہاڑ پر تھے کہ پہاڑ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أُسْكُنْ أُحُدُ فَلَيْسَ عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَ شَهِيدَانِ»[2]

"احد! حرکت بند کر دے۔ تجھ پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔"

<u>موازنہ</u>: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی مبارک زندگی میں بھی شہید ہوئے اور کئی صحابہ اور اہل بیت کے بارے میں آپ نے شہادت کی پیش گوئی بھی فرمائی۔ یہ شہدائے کرام کے لیے اعزاز بھی تھا۔ اگر شہادت کی پیش گوئی اہل بیت کی بابت تھی، تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی بابت بھی تھی۔ ایک کی شہادت پر بے انتہا خوشی اور ایک کی شہادت پر حد سے زیادہ غم کس بات کی غمازی کرتا ہے؟

چہار دہم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

نبی ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کو بدبخت ترین قرار دیا۔ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

---

1. السلسلة الصحيحة: ۲۴۵/۳: رقم ۱۱۷۱
2. صحيح البخاري، كتاب أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عثمان بن عفان أبي عمرو القرشي: ۳۶۹۹

يا أبا تراب! ألا أحدثكما بأشقى الناس رجلين؟ قلنا: بلى يا رسول الله! قال: أحيمر ثمود الذي عقر الناقة، والذي يضربك على هذه (يعني قرن علي) حتى تبتل هذه من الدم - يعني لحيته -.[1]

"کیا میں تمہیں دو انتہائی بدبخت لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں اے رسول اللہ!... اور دوسرا شخص وہ ہے (پھر آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سر کی چوٹی پر ہاتھ رکھا) اور فرمایا: جو یہاں ضرب لگائے گا اور جس سے یہ داڑھی خون سے تر ہو جائے گی۔"

فضائل دیگر

اسی حدیث میں، مذکور پہلا شخص یہ ہے:

"اور پہلا بدبخت ترین شخص وہ ثمودی ہے جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔" (اور وہ جانبر نہ ہو سکی)۔"[2]

موازنہ: ایک کی بدبختی یہ ہے کہ اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، دوسرے کی بدبختی یہ ہے کہ اس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ اس فرمانِ نبوی سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

پانزدہم: فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسىٰ إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي»[3]

"تمہارا میرے ہاں وہی مقام ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاں ہارون علیہ السلام کا تھا مگر بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔"

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

نبی ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

---

۱ السلسلة الصحيحة:۱۷۴۳

۲ السلسلة الصحيحة: ایضاً

۳ سنن ابن ماجه، باب في فضائل أصحاب رسول الله ﷺ، باب فی فضل علی بن أبي طالب: رقم ۱۲۱

«لَوْ كَانَ نَبِيٌّ بَعْدِي لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ»[1]

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے۔''

موازنہ: مذکورہ احادیث سے سیدنا علی کی اشارۃً اور سیدنا عمر کی صراحۃً فضیلت ثابت ہو رہی ہے۔ سیدنا علی سے کہا جا رہا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور سیدنا عمر سے کہا جا رہا ہے کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتے تو عمر بن خطاب ہوتے۔ اسلوبِ کلام میں قدرے فرق ہے لیکن نتیجہ ایک ہے۔ اور اظہار محبت بھی دونوں سے ہے۔

آخری بات: سابقہ روایات کے مطالعے سے کئی اُمور سامنے آتے ہیں:

① اگر اہل سنت کے ہاں اہل بیت کے لیے کوئی نفرت ہوتی تو ان کے ہاں متفقہ کتب حدیث میں ایسی کوئی حدیث نہ ہوتی۔ لیکن آپ نے دیکھا متقدمین اور متاخرین سبھی نے اہل بیت رضی اللہ عنہم سے متعلقہ احادیث کو بیان کیا ہے۔

② اہل بیت رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ یقیناً بہت زیادہ ہے، مگر ان کے بارے میں احادیثِ مبارکہ یا آیاتِ قرآنیہ سے من مانے مفہوم لیے جاتے ہیں، وہ اس لیے درست نہیں کہ اس جیسے یا اس سے ملتے جلتے فضائل اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی دلوائے ہیں۔

③ مذکورہ تقابل کا مطلب اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان گھٹانا قطعاً نہیں اور نہ کوئی اس سے یہ سمجھے۔ بس اس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے کوئی من مانا مفہوم نہ لیا جائے۔ اگر حیثیت زبانِ نبوت کو دی گئی ہے تو ایک ایک حرفِ نبوت کی لاج رکھی جائے۔

④ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان میں استعمال کیے گئے الفاظ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے مستعمل نہیں تو یہاں اس موقف کی تردید بھی ضروری تھی۔

⑤ یہ تقابل کوئی حرفِ آخر یا آخری فیصلہ نہیں ہے۔ یہ تو دعوت کا ایک اُسلوب اور بحث کا ایک نیا رخ ہے اور لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانی ہے کہ اگر اہمیت وحی کو ہے تو وحی میں آنے والے جملہ فضائل جس جس کے لیے ثابت ہیں ان کا بلا تعصب علی الاعلان اظہار کیا جائے۔ اس طرح طرفین کی غلط فہمیاں دور ہونے کے امکانات بھی نظر آتے ہیں۔

---

1 جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب في مناقب أبي حفص عمر بن الخطاب: رقم ٣٦٨٦

تحقیق و تنقید

اصلاحی صاحب کی شرحِ صحیح بخاری

خدمتِ حدیث یا انکارِ حدیث؟

حافظ صلاح الدین یوسف

بر صغیر پاک و ہند میں انکارِ حدیث کا فتنہ کم و بیش ڈیڑھ صدی سے سر گرم عمل ہے۔ اس کے مختلف انداز اور مختلف روپ رہے ہیں اور ہیں۔ تاہم علمائے راسخین اور منہجِ سلف سے وابستہ صحیح الفکر علماء اس کی ہر چال اور ہر ڈھنگ کو پہچان لیتے رہے اور الحمدللہ آج بھی وہ ان کی کج اداؤں اور کج فکریوں کو پہچانتے ہیں:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش　　　　من اندازِ قدت را می شناسم

ان منکرین حدیث کی دو قسمیں ہیں:

ایک تو وہ ہیں جو واضح الفاظ میں حدیث کو حجتِ شرعیہ نہیں مانتے۔ ان کا کچا چٹھا یا روپ بہروپ سب کے سامنے ہے اور علمائے اسلام نے اُن کی بابت فتوائے کفر صادر کر کے ملتِ اسلامیہ کے جسد سے اس عضوِ فاسد کو کاٹ کر پھینک دیا ہے۔

دوسرے وہ ہیں جو بظاہر حدیث کی حجیت کا راگ بھی الاپتے ہیں لیکن اس کا انکار کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ وہ ائمۂ سلف سے وابستگی کا دم بھی بھرتے ہیں لیکن ان کی فکری ترکتازیاں ائمۂ سلف کے منہج کو تباہ کرنے والی ہیں۔ ان کے فکر و عمل میں کھلا تضاد ہے، اُنھوں نے اپنی پٹاری میں دونوں قسم کا سامان رکھا ہوا ہے۔ جہاں ضرورت ہوتی ہے، وہاں وہ حدیث کی حمایت کے الفاظ بول دیتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ انکارِ حدیث کے مرض کا شکار ہیں، جو مسلمات اسلامیہ کو مسلسل مجروح اور مخدوش کر رہا ہے۔

بے خبر مسلمان عوام یا ان کے خوانِ علم کے ریزہ چین ان کو قرآنی علوم کا ماہر غوّاص اور حدیث کے اسرار و رموز کا نقاب کشا سمجھتے ہیں لیکن در حقیقت اُنہوں نے اپنی من مانی تاویلات کے ذریعے سے قرآن کریم کو بھی بازیچۂ اطفال بنا دیا ہے۔ اور احادیث نبویہ... علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ... پر بھی ایسی ناوک افگنی کی ہے کہ اس کا سارا جسم اطہر لہو لہو ہو گیا ہے۔

قرآن و حدیث کے ساتھ اس زیادتی کے آغاز کا ''سہرا'' تو مولانا حمید الدین فراہی کے سر بندھتا ہے لیکن

حدیث گریزی کے اس فتنے کو فلک چہارم پر پہنچانے والے ان کے تلمیذِ خاص امین احسن اصلاحی اور ان کے فیض یافتہ جاوید احمد غامدی اور ان کے دامن فکر سے وابستہ کچھ نوجوان ہیں جن کی برین واشنگ 'المورد' اور 'دانش سرا' جیسے اداروں میں ہوئی ہے۔

منکرین حدیث کی فہرست میں امین احسن اصلاحی صاحب کا نام سرفہرست دیکھ کر شاید کچھ لوگوں کو تعجب ہوگا کیونکہ ان کا شہرہ تو تفسیر 'تدبر قرآن' یا بانیٔ 'ادارہ تدبر قرآن و حدیث' کے حوالے سے ہے۔ لیکن اس 'تدبر' کے پیچھے 'تخرُّب' کی کارفرمائی جب ان کے سامنے آئے گی تو ان کا تعجب، حیرت میں بدل جائے گا اور ان کی خوش گمانی کا محل بھی زمین بوس ہو جائے گا، بشرطیکہ اللہ نے ان کو فکرِ سلیم اور فہم ثاقب سے نوازا ہو۔

راقم نے بھی آج سے نصف صدی قبل زمانۂ طالب علمی میں ان کی بعض کتابیں پڑھی تھیں۔ مثلاً: عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ، پاکستانی عورت دوراہے پر، اسلامی قانون کی تدوین، حقیقتِ شرک، حقیقتِ توحید اور حقیقتِ تقویٰ، وغیرہ۔ تو ان کی علمی عظمت کا ایک نقش قائم ہوا تھا۔ لیکن جب ان کی تفسیر 'تدبر قرآن' چھپنی شروع ہوئی تو ان کی پر تکلف تفسیر... جس کو نظم قرآن کا خوش نما عنوان دیا گیا ہے... پڑھ کر سخت وحشت سی ہوئی۔ بالخصوص احادیث کا انکار، نیز متواتر احادیث کا واضح انکار، مسلمات اسلامیہ کا انکار اور اجماعِ صحابہ سے انحراف سامنے آیا، تو عظمت کا سارا ہیولا گہنا گیا اور عقیدت کا محل زمیں بوس ہو گیا۔ بقول مولانا حالیؔ ؎

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے　　اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد　　دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

تفسیر پر 'تدبر' کے بعد جب حدیث پر 'تدبر' کا آغاز ہوا، تو موصوف بالکل کھل کر سامنے آگئے اور تفسیر میں انکارِ حدیث کے جو جرثومے اہل نظر کو نظر آتے تھے، وہ خوف ناک روپ اختیار کر گئے اور انھوں نے سارے ذخیرۂ احادیث کو عفونت زدہ کر کے یکسر ناقابل اعتبار قرار دے دیا اور 'سنت' کا ایسا من گھڑت مفہوم گھڑا کہ بقول علامہ قبال ؎

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت　　خدا و جبریل و مصطفیٰ را

حالانکہ بدیہی بات ہے کہ کسی گروہ کی خاص اصطلاح کا وہی مفہوم معتبر ہوتا ہے جو اس کے ہاں معروف اور مسلمہ ہوتا ہے۔ جیسے 'ختم نبوت' کی اصطلاح ہے، زکوٰۃ و صلوٰۃ کی اصطلاح ہے۔ ان اصطلاحات کا جو مفہوم چودہ سو سال سے مسلم چلا آرہا ہے، وہی قابل اعتبار ہوگا۔ کسی بھی شخص کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ان اصطلاحات کا خود ساختہ مفہوم گھڑ کر دعویٰ کرے کہ میں بھی ان کا قائل ہوں جب کہ اس کے خود ساختہ مفہوم سے چودہ سو

سالہ مسلمات کا انکار لازم آتا ہو۔

جیسے مرزائی کہتے ہیں کہ ہم بھی 'ختم نبوت' کے قائل ہیں، لیکن اس کا مطلب نبی ﷺ پر نبوت کا خاتمہ نہیں ہے جیسے دوسرے مسلمان سمجھتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبی آئے گا، وہ مُہر محمدی کے ذریعے ہی سے آئے گا اور مرزائے قادیانی آپ کی مُہر ہی سے نبی بن کر آیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کی ختم نبوت کی مسلّمہ اصطلاح کی رو سے قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، اور مرزائیوں کے خود ساختہ مفہوم کی رو سے اسی 'اصطلاح' سے اجرائے نبوت کا اثبات ہو گیا۔

ایسے ہی غلام احمد پرویز نے کہا:

"اقامتِ صلوٰۃ، خاص اصطلاح ہے، جس کے عام معنی نماز قائم کرنا یا نماز پڑھنا کیے جاتے ہیں۔ لفظ صلوٰۃ کا مادہ ص، ل، و ہے جس کے بنیادی معنی کسی کے پیچھے چلنے کے ہیں۔ اس لیے صلوٰۃ میں 'قوانین خداوندی' کے اتباع کا مفہوم شامل ہو گا۔ بنابریں اقامتِ صلوٰۃ کا مفہوم ہو گا: "ایسے نظام یا معاشرے کا قیام جس میں قوانین خداوندی کے اتباع کا تصور محسوس اور سمٹی ہوئی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔"[1]

'زکوٰۃ' ایک خاص اصطلاح ہے جس کا مفہوم و مطلب چودہ سو سال سے مسلّمہ چلا آرہا ہے۔ لیکن اس اصطلاح کا بھی پرویزی مفہوم سنیے!...

"زکوٰۃ عربی زبان میں نشوونما کو کہتے ہیں، لہٰذا 'ایتائے زکوٰۃ' کے معنی ہوں گے: سامانِ نشوونما مہیا کرنا اور یہ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ افراد معاشرہ کی نشوونما کا سامان فراہم کرے اور یہ سامان نشوونما صرف 'روٹی، کپڑا، مکان' ہی کو شامل نہیں بلکہ اس میں وہ تمام اسباب و ذرائع شامل ہیں جن سے انسانی صلاحیتوں کی نشوونما (Development) ہوتی ہے۔ قرآن کی آیت ﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ ﴾ (الحج ۲۲:۴۱) کا بھی یہی مفہوم ہے۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ جب ان کی حکومت قائم ہو گی تو یہ لوگوں سے زکوٰۃ لیں گے۔ کہا یہ گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ دیں گے (افراد معاشرہ کی نشوونما کا سامان فراہم کریں گے)۔"[2] (ملخص)

---

۱ مفہوم القرآن، جلد اول، بحوالہ خصوصی اشاعت 'فکر و نظر' مطالعۂ قرآن، ص: ۳۳۵

۲ ماہنامہ 'طلوع اسلام' مئی ۱۹۷۹ء

اگر چودہ سو سالہ مسلم اصطلاحات کے مسلّمہ مفہوم کو بدل کو خود ساختہ مفہوم لینے کا ادنیٰ سا بھی جواز ہے تو پھر ختم نبوت کا مسئلہ بھی ختم اور نماز اور زکاۃ سے بھی چھٹی...!!

'سنت و حدیث' کا اصطلاحی مفہوم

سنت یا حدیث بھی مسلمانوں کی ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کا مفہوم و مصداق بھی چودہ سو سال سے مسلم چلا آرہا ہے اور وہ ہے: رسول اللہ ﷺ کا عمل، قول اور تقریر یا تصویب۔ اسی طرح یہ دونوں لفظ بھی ہم معنی (مترادف) ہیں، ان میں مغایرت نہیں۔ حدیث ہی کو سنت اور سنت ہی کو حدیث کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض دفعہ حدیث کو اثر یا خبر بھی کہہ لیتے ہیں، اس وقت یہ اثرِ رسول یا خبرِ رسول کے مفہوم میں حدیث ہی کے ہم معنیٰ ہوتے ہیں۔

خبرِ رسول کو عام خبر قرار دے کر صدق و کذب کا محتمل قرار نہیں دے سکتے۔ جب خبر کی اضافت الرسول کی طرف ہو جائے گی تو اس میں کذب کا احتمال یکسر ختم ہو جائے گا، وہ صدق ہی کی حامل اور موجب یقین و عمل ہی ہو گی۔ اس لیے کہ جب حدیث کا لفظ حجتِ شرعیہ کی بحث میں استعمال ہوتا ہے تو اس سے صرف حدیثِ ثابتہ ہی مراد ہوتی ہے جو مرفوع، متصل اور تمام علل قادحہ سے پاک ہوتی ہے۔ اس سیاق میں ضعیف، منقطع، معضل اور موضوع وغیرہ حدیث قطعاً مراد نہیں ہوتی۔ کیونکہ دین کا ماخذ اور حجتِ شرعیہ صرف اور صرف احادیثِ صحیحہ و ثابتہ ہی ہیں نہ کہ آپ کی طرف منسوب دوسری احادیث۔ اسی لیے تو محدثین نے بے مثال کاوشیں کر کے نقد و تحقیقِ حدیث کے اُصول و ضوابط بھی مقرر فرمائے اور راویان حدیث کی عدالت و ثقاہت جانچنے کے لیے فن اسماء الرجال مدوّن کر کے ان کے صحیح صحیح حالات بھی محفوظ کر دیے۔

بنابریں جب بھی کوئی حدیث معرضِ استدلال میں پیش کی جائے گی تو دیکھا جائے گا کہ یہ حدیث کی کس کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ اگر وہ حدیث کی ان کتابوں سے نقل کی گئی ہے جن کی صحت پر اُمتِ مسلمہ کا اتفاق ہے جیسے صحیح بخاری و صحیح مسلم ہے یا بقولِ بعض موطا امام مالک بھی ہے۔ اور اگر وہ حدیث کی دوسری کتابوں (سنن اربعہ اور دیگر کتبِ حدیث) سے نقل کی گئی ہے جن میں صحیح احادیث کے ساتھ کچھ ضعیف احادیث بھی ہیں اور نقل کرنے والے نے محض حوالے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس کی صحت کا اثبات بھی کیا ہے (جس کا اہتمام ہر وہ صاحبِ علم کر سکتا ہے جو اصول حدیث اور اسماء الرجال کا درک رکھتا ہے) یا کسی صاحب فن اور محقق حدیث کی طرف سے صحت کی توثیق بھی نقل کر دیتا ہے تو ایسی حدیث سے کذب کا احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

مسلّمہ اصطلاحات کا مفہوم بدلنا، سخت گمراہی ہے!

اس مسلّمہ اصطلاحی مفہوم کے برعکس اصلاحی صاحب نے حدیث وسنت کا خود ساختہ مفہوم گھڑا ہے تاکہ حدیث سے جان چھڑائی جا سکے۔ کیونکہ صاف الفاظ میں حدیث کا انکار ممکن نہیں تھا، جیسے مرزائیوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے 'ختم نبوت' کے مسلّمہ اصطلاحی مفہوم کو چھوڑ کر خود ساختہ مفہوم گھڑا۔ پرویز نے صلاۃ وزکاۃ سے جان چھڑانے کے لیے ان کے چودہ سو سالہ مسلّمہ اصطلاحی مفہوم کو بدل ڈالا۔

اصلاحی صاحب بھی حدیث سے تو جان چھڑانا چاہتے تھے تاکہ ان کے لیے احادیثِ رجم اور دیگر ان احادیث کے لیے جو اُن کی عقل نارسا کی سمجھ میں نہ آسکیں، انکار کا جواز فراہم ہو جائے۔ لیکن واضح الفاظ میں احادیث کی حجیت کے انکار کی جرأت ان کے اندر نہ ہو سکی تو فکر و نظر کی کجی نے ان کو ایک ایسا 'طریقہ' سجھا دیا جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، یعنی حدیث کی حجیت واہمیت بھی ختم ہو جائے اور وہ بدستور ایک 'مفسر قرآن' بھی سمجھے جائیں اور 'شارح حدیث' بھی۔ یا کم از کم ان کا حلقۂ ارادت ان کی بابت اسی زعم کا شکار رہے۔ چنانچہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے۔ آج ان کے غالی عقیدت مند ان کو 'امام' بھی باور کرا رہے ہیں اور ان کے زیغ وضلال کو عین حق وصواب بھی۔ اور جیسے وہ خود ضالّ اور مُضِلّ رہے، اب ان کے پیروکار (جاوید غامدی وخالد مسعودی گروپ) ضلّوا فاضلّوا کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ أعاذنا الله منهم!

حدیث وسنت کا خود ساختہ مفہوم اور اس کے خطرناک مضمرات

اصلاحی صاحب نے چودہ صد سالہ مسلّمہ اصطلاحات کا مفہوم کس طرح بدلا؟ ملاحظہ فرمائیں:

ایک تو اُنہوں نے حدیث اور سنت کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا اور کہا: ان دونوں کے درمیان آسمان وزمین کا فرق ہے۔ جب کہ ان میں بال برابر (یک سرمو) فرق نہیں ہے۔ ایک ہی مسمّیٰ کے دو نام، ایک ہی تصویر کے دو رخ، ایک ہی حقیقت کے دو جلوے اور ایک ہی ہیولیٰ کے دو پیکر ہیں، جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی ہے۔

حدیث کی تو وہی تعریف کی جو مسلمہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا قول، عمل اور تقریر یا تصویب، لیکن ساری فنکاری سنت کو حدیث سے الگ کر کے یہ کی گئی کہ سنت سے مراد آپ کا وہ عمل ہے جو تواتر عملی سے نقل ہوتا چلا آیا ہے جس میں چند اعمال عبادات ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج وعمرہ وغیرہ۔ یا ان کے ہونہار شاگرد غامدی صاحب کے بقول صرف ۲۷ سنتیں[1]۔ گویا احادیث کا وہ تمام ذخیرہ جو محدثین نے اپنی کتابوں میں جمع اور محفوظ

---

1 دیکھیں 'میزان' از جاوید احمد غامدی: میزان ص ۱۰، طبع دوم

کیا ہے، وہ سب دفترِ بے معنی اور غرق مئے ناب اولیٰ کا مصداق ہے، کیونکہ وہ سب غیر محفوظ ہے، ان کا سنت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ سنت تو قرآن کی طرح متواتر ہے، فرق صرف یہ ہے کہ قرآن تواتر قولی سے ثابت ہے اور سنت تواترِ عملی سے اور دین میں حجت صرف سنت ہے اور حدیث کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

حدیث کو بے وزن کرنے کے لیے دوسرا ظلم حدیث پر یہ ڈھایا کہ

"محدثین حدیث کو خبر کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور 'خبر' کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ الخبر یحتمل الصدق والکذب (خبر صدق وکذب، دونوں کا احتمال رکھتی ہے) یعنی علماے فن کے نزدیک خبر میں صدق وکذب دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر احادیث کو ظنی بھی کہتے ہیں، گویا ایک حدیث میں صحیح، حسن، ضعیف، موضوع اور مقلوب سب کچھ ہوسکنے کا امکان پایا جاتا ہے۔"[1]

اس اقتباس میں کئی مغالطے ہیں:

پہلا مغالطہ: محدثین حدیث کو خبر کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ حدیث کو خبر سے بھی تعبیر کرلیتے ہیں۔ اس معنی میں کہ راوی (صحابی) رسول اللہ ﷺ کے ایک عمل یا فرمان یا تقریر کی خبر دے رہا ہے۔ اس وقت یہ عام خبر کے معنی میں نہیں ہے بلکہ خبر رسول کے مفہوم میں حدیث وسنت ہی کے ہم معنی ہے۔

کسی بھی محدث نے خبرِ رسول یا حدیثِ رسول یا سنتِ رسول یا اثرِ رسول (کیونکہ یہ چاروں لفظ الرسول کی نسبت سے ہم معنی ہیں) کو صدق وکذب کا محتمل قرار نہیں دیا ہے۔ خبر کی ایک عام سی تعریف کو محدثین کی طرف منسوب کرنا اور پھر اسے حدیثِ رسول پر چسپاں کرنا ظلم اور حدیث دشمنی کی انتہا ہے۔

خبر ہر طرح کی ہوتی ہے، سچی بھی اور جھوٹی بھی۔ اسی طرح ہر راوی کی خبر کو صدق وکذب کا محتمل بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس طرح تو دنیا کا سارا نظام تلپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ دنیا کا سارا نظام 'خبر' ہی پر چل رہا ہے۔ آپ کے پاس کوئی خبر آئے، آپ کہیں، اچھا پہلے میں معلوم کرلوں، یہ سچ ہے یا جھوٹ؟ پھر میں کچھ کروں گا۔ اس طرح تو آپ شاہراہِ زندگی پر چند قدم بھی نہ چل سکیں گے۔

اسی لیے قرآن نے یہ نہیں کہا کہ تمھارے پاس کوئی خبر آئے تو پہلے اس کی تحقیق کرو۔ بلکہ صرف فاسق کی

---

1 مبادئ تدبر حدیث، ص: ۲۰،۱۹

خبر کے بارے میں تحقیق کرنے کا حکم' دیا ہے۔ اگر احادیث رسول جنہیں اخبار رسول بھی کہا جاتا ہے، ان کی خبر دینے والے تمام صحابہ نعوذباللہ فاسق تھے اور ان کے سلسلۂ سند کے تمام رُواۃ فاسق تھے، پھر تو اصلاحی صاحب کی بات درست ہے کہ تمام احادیثِ رسول صدق وکذب کی محتمل ہیں اور محدثین کی تمام چھان پھٹک کے باوجود متفق علیہ احادیث میں بھی صدق وکذب کا احتمال پایا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ بہر حال 'خبر' ہی تو ہیں۔

لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے، الحمدللہ تمام صحابہ عادل تھے اور صحیح مرفوع، متصل احادیث کے سلسلۂ اسناد کے تمام رواۃ بھی ثقہ، مُتقِن، حافظ وضابط اور پیکر ورع وتقویٰ تھے تو ان کی بیان کردہ روایات کو احادیثِ رسول کہہ لیں، سُنن کہہ لیں، آثار الرسول کہہ لیں، اخبار الرسول کہہ لیں، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ نہ ان کے مفہوم ومطلب میں اور نہ ان کے ثبوت وحجیت میں۔

جو احادیث رسول یا اخبارِ رسول نقد وتحقیق کے مسلمہ اُصولوں کی روشنی میں ثابت ہی نہ ہوں، ان کو ضعیف، منقطع، موضوع وغیرہ کہا جاتا ہے، ان کو حدیثِ صحیح قرار ہی نہیں دیا جاتا۔ اس معیارِ صحت کے اعلیٰ ترین پیمانے پر پوری اُترنے والے احادیث یا اخبار رسول کو بھی محتمل صدق وکذب اگر کوئی قرار دیتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ وہ حدیث دشمنی میں یا تو اپنے عقل وحواس بھی مختل کر بیٹھا ہے، یا شعوری طور پر احادیث کو مشکوک ٹھہرا کر مسلمانوں کو ان سے متنفر کرنا چاہتا ہے۔

اسی طرح احادیث کو جس ضمن میں مذکورہ اقتباس میں 'ظنی' کہا گیا ہے، وہ مشکوک یا غیر مستند کے مفہوم میں ہے اور یہ حدیث پر اصلاحی صاحب کا دوسرا ظلم ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں:

"حدیث میں صحیح، حسن، ضعیف، موضوع اور مقلوب سب کچھ ہو سکنے کا امکان پایا جاتا ہے۔"

حالانکہ ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ حجیت اور ماخذِ شریعت کی بحث میں جب حدیث کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد صرف صحیح یا حسن حدیث ہوتی ہے۔ اس وقت ضعیف، موضوع اور مقلوب وغیرہ اس میں قطعاً شامل نہیں ہوتی۔ نہ اس کو ظنی بمعنی مشکوک قرار دیا جاتا ہے بلکہ یہ اصطلاحی لفظ ہے جس سے مقصود متواتر حدیث سے حاصل ہونے والے علم کے مقابلے میں اس سے کم تر درجے کے علم کی وضاحت ہوتی ہے جس کو بعض علماء 'ظن غالب' بھی کہہ لیتے ہیں۔

اصلاحی صاحب کا مذکورہ اقتباس حدیث کی اہمیت وحجیت کو مشکوک ٹھہرانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

---

۱ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓاْ (سورۃ الحجرات:٦)

حدیث کی اصطلاحی ظنّیت کو، جس کا مطلب حدیث کا بے اعتبار یا مشکوک ہونا ہرگز نہیں ہوتا، مشکوک کے ہم معنی قرار دینا حدیثِ آحاد کی بے اعتباری کے لیے تمام قدیم وجدید منکرین حدیث کا سب سے بڑا ہتھیار یا ہتھکنڈا ہے۔ اصلاحی صاحب نے بھی حدیث دوستی کی آڑ میں حدیث دشمنی کا یہی راستہ استعمال کیا ہے۔

علاوہ ازیں اصلاحی صاحب کی طرف سے حدیث کو مشکوک ٹھہرانے کی بابت جو شبہات پیش کیے گئے ہیں، یہ نئے نہیں ہیں، وہی ہیں جو ایک عرصے سے منکرین حدیث کی طرف سے پیش کیے جاتے رہے ہیں اور حدیث کے بارے میں جس کا بھی دماغ خراب ہو جاتا ہے، وہ وہی بار بار کے چبائے لقموں کی جگالی شروع کر دیتا ہے اور علماء کی واضح تصریحات و توضیحات کی طرف سے آنکھیں بند کرکے اندھے کی لاٹھی کی طرح احادیث پر، ائمۂ حدیث پر اور راویانِ حدیث پر خشت باری شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ علماء ان کے نہایت مسکت جواب دے چکے ہیں۔ بنابریں ایسے گم کردہ راہوں کے لیے یہی کہا جاسکتا ہے...

گرنہ بیند بروز شپرۂ چشم　　　چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اصلاحی صاحب کی حدیث پر کرم فرمائیاں

'مبادیٔ تدبر حدیث' میں اصلاحی صاحب نے مستند ذخیرۂ احادیث کو مشکوک اور ناقابل حجت قرار دینے کے لیے موشگافیاں اور اپنی من گھڑت کسوٹیاں پیش کی ہیں۔ الحمدللہ علمائے اہل حدیث نے ان کی ایک ایک کسوٹی کے تانے بانے کو اُدھیڑ کرر کھ دیا ہے اور ایک ایک موشگافی کا نہایت مسکت اور منہ توڑ جواب دے دیا ہے۔ جیسے غازی عزیر حفظہ اللہ کی ضخیم اور نہایت مدلل و مفصل کتاب 'انکارِ حدیث کا نیا روپ' ہے جو بھارت میں چار حصوں میں شائع ہوئی تھی اور پاکستان میں بڑے سائز کی دو جلدوں میں مکتبہ قدوسیہ لاہور نے شائع کی ہے۔ اس میں اصلاحی استدلال کے سارے تاروپود بکھیر کرر کھ دیے گئے ہیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء

اسی طرح ہمارے ایک اور فاضل دوست حافظ عبد الحمید ازہر ہیں۔ انھوں نے بھی اپنے دو تنقیدی مقالوں میں اصلاحی صاحب کی مذکورہ کتاب نامستطاب کا جائزہ لیا ہے اور خوب لیا ہے۔ ان کے یہ مقالے ہفت روزہ 'الاعتصام' لاہور میں 'فن نقد حدیث پر مولانا اصلاحی کی کرم فرمائیاں' (دسمبر ۱۹۸۲ء، جنوری ۱۹۸۳ء) اور 'تحقیق حدیث کے لیے قیاسی کسوٹیاں' (مارچ ۱۹۸۷ء میں) شائع ہوئے ہیں۔

دو اور اہل علم نے بھی اصلاحی صاحب کی اس کتاب کا ناقدانہ اور نہایت فاضلانہ جائزہ لیا ہے۔ ایک ڈاکٹر سعید احسن عابدی حفظہ اللہ (جدہ) ہیں۔ ان کی نہایت محققانہ کتاب 'مقام حدیث' دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے

جس میں عرب و عجم کے منکرین حدیث کا مدلل پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے، ان میں اصلاحی صاحب بھی شامل ہیں اور ان کی 'مبادئ تدبر حدیث' پر بھی نقد ہے۔ دوسرے ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی سلّمہ اللّٰہ ہیں، انہوں نے بھی اس کتاب کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے، ان کا یہ مقالہ مجلس التحقیق الاسلامی کے سہ ماہی 'رشد' لاہور میں شائع ہوا ہے۔ بنابریں اس 'فضول' سی کتاب کا جواب دینے کی ہمیں نہ ضرورت ہے اور نہ اس وقت ہمارا مقصود ہی ہے۔

خیال رہے ہم نے ان کی کتاب 'مبادئ تدبر حدیث' کو جو 'فضول' سی کتاب کہا ہے، وہ واقعی نہات فضول کتاب ہے جس میں ائمۂ حدیث کی تمام فنی کاوشوں کو، جو اُنہوں نے حفاظت وصیانت حدیث کے لیے کیں، ناکافی قرار دیتے ہوئے، گمراہ ذہنوں کو ایسے ہتھیار فراہم کر دیے ہیں جن کے ذریعے سے محدثین کی مساعیٔ حسنہ کے برعکس احادیثِ صحیحہ کا تیاپانچہ کرنا اور احادیثِ واہیہ کو اپنانا آسان ہو جائے۔ جیسا کہ آپ دیکھیں گے کہ اپنے من گھڑت اُصولوں اصلاحی صاحب نے خود بھی یہ کام کیا ہے۔ صحیح بخاری کی متفق علیہ بیسیوں روایتوں کو تو مردود، لیکن زنادقہ وملاحدہ کی من گھڑت روایات کو مقبول قرار دیا ہے۔

دوسرے، یہ لفظ 'فضول' اصلاحی صاحب کا بڑا مرغوب اور نہایت پسندیدہ ہے۔ جو بات یا حدیث ان کی عقل نارسا میں نہیں آتی، یا ان کے مزعومہ نظریات کے خلاف ہوتی ہے، تو وہ اس کے لیے بلا تکلف یہی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً: یہ حدیث فضول سی ہے، شارحین یا مفسرین نے یہ فضول سی بات لکھ دی ہے، وغیرہ۔

اس لیے ان کا حلقۂ ارادت ان کی گمراہ کن کتاب کو 'فضول سی' کہنے پر سیخ پانہ ہو۔ جب ان کی شوخ چشمانہ جسارت کا یہ حال ہے کہ وہ امام بخاری، جلیل القدر راویان حدیث، مفسرین و محدثین کے لیے یہ 'فضول سا' لفظ بولنے اور لکھنے میں کوئی تامل نہیں کرتے تو ان کے وابستگانِ دامن کو بھی اس پر چیں بہ جبین ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔

حدیث دشمنی، یا انکار حدیث کے ناقابل تردید دلائل وشواہد

اصلاحی صاحب کا شہرہ ایک 'عظیم مفسر قرآن' کے طور پر ہے لیکن وہ تمام مفسرین اُمت کے ذخیرۂ علمی کو دریابرد کرنے کے خواہاں ہیں۔ ان کا عمومی تعارف ایک مفسر قرآن اور شارحِ حدیث کے طور پر ہے، ان کی عظمت کے گُن گانے والوں کے نزدیک بھی ان کی یہ دونوں حیثیتیں مسلمہ ہیں۔ لیکن ہم نہایت دکھ کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کی ساری کاوشیں مستند احادیث کو مشکوک ثابت کرنے پر مرتکز رہی ہیں، اپنے کے لیے انھوں نے مفسرین، محدثین اور احادیث کے خلاف جو منفی رویہ اختیار کیا ہے، اس کی جرأت آج تک کسی

بڑے سے بڑے منکر حدیث کو بھی نہیں ہوئی۔ اس لیے برصغیر پاک وہند میں ان کی فکر کے نتائج واثرات بڑے خطرناک ہیں جس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

ا۔ تضاد فکر یا انتشار فکر

تمام منکرین حدیث کی طرح اصلاحی صاحب بھی تضاد فکر یا انتشار فکر کا شکار ہیں۔ اور شعوری یا غیر شعوری طور پر مغالطہ انگیزی کے لیے یہ تضاد یا انتشار ناگزیر ہے۔

تضاد فکر یہ ہے کہ کبھی کبھی یا کہیں کہیں وہ حدیث کی حمایت بھی کرتے ہیں۔ مثلاً: سورۃ الجمعہ کی تفسیر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ وہ ''رسول کی تعلیم، اللہ کی تعلیم ہے۔'' عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''جمعہ کی نماز، اس کی اذان اور اس کے خطبہ سے متعلق یہاں مسلمانوں کو جو ہدایات دی گئی ہیں اور ان کی ایک غلطی پر جس طرح تنبیہ فرمائی گئی ہے، اس کا انداز شاہد ہے کہ جمعہ کے قیام سے متعلق ساری باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے انجام پائی ہیں، حالانکہ قرآن میں کہیں بھی جمعہ کا کوئی ذکر نہ اس سے پہلے آیا ہے، نہ اس کے بعد ہے۔ بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ اس کے قیام کا اہتمام ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ نے فرمایا اور لوگوں کو آپ ہی نے اس کے احکام و آداب کی تعلیم دی۔ پھر جب لوگوں سے اس کے آداب ملحوظ رکھنے میں کچھ کوتاہی ہوئی تو اس پر قرآن نے اس طرح گرفت فرمائی گویا براہِ راست اللہ تعالیٰ ہی کے بتائے ہوئے احکام و آداب کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول کے دیے ہوئے احکام بعینہٖ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں، ان کا ذکر قرآن میں ہو یا نہ ہو۔ رسول کی طرف ان کی نسبت کی تحقیق تو ضروری ہے لیکن نسبت ثابت ہے تو ان کا انکار خود اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار ہے۔''[1]

کیا کوئی باور کر سکتا ہے کہ یہ کسی 'منکر حدیث' کی تحریر ہے؟ یہ اقرار و اعتراف دراصل مغالطہ انگیز ہے۔ اقتباس میں 'روایات' کا لفظ بھی قابل غور ہے، جب کہ موصوف روایاتِ حدیث کو مانتے ہی نہیں۔ وہ تو صرف چند 'سنتوں' کو مانتے ہیں جن کی تعداد بھی ان کے فیض یافتہ غامدی صاحب نے متعین کر دی ہے کہ وہ صرف ۲۷ ہیں۔ ان میں جمعہ کے یہ آداب و احکام تو نہیں ہیں۔

ا تدبر قرآن: جلد ۸/ص ۳۸۸، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن

۲۔ مختلف روایات کو متعارض باور کرانا

تمام منکرین حدیث راویانِ حدیث کی کسی ایک مسئلے سے متعلقہ روایات میں بیان روایت میں الفاظ کے جزوی اختلاف، یا اختصار و تفصیل، یا معمولی کمی بیشی کو روایات کا باہم تعارض باور کرا کے احادیث کو ردّ کر دیتے ہیں۔ اصلاحی صاحب کا بھی بالعموم یہی رویہ ہے لیکن جہاں ان کی اپنی ضرورت ایسی روایت سے استدلال کرنے کی ہوتی ہے، وہاں محدثین والا رویہ اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"تمام روایات کو سامنے رکھ کر حدیث پر غور کرنا چاہیے۔"

چنانچہ وہ ایک حدیث کے دو طرق، جن میں الفاظ کی کمی بیشی ہے، ذکر کر کے لکھتے ہیں:

"اوپر کی یہ دونوں روایتیں اصل میں ایک ہی روایت ہے... لیکن پہلی روایت قطرہ ہے تو دوسری روایت علم کا دریا ہے۔ پہلی روایت کے الفاظ سے شدید قومی عصبیت کا مضمون بھی نکالا جاسکتا ہے لیکن اس دوسری روایت کے بعد اس کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ توجہ میں نے اس لیے دلا دی ہے کہ راویوں میں بیان کا بہت فرق ہوتا ہے۔ روایات میں یہ مشکل بہت ہے، یہ میرا تجربہ ہے۔ یہ چیز حدیث کے طالب علم کی پیش نظر ہونی چاہیے، اور تمام روایات کو سامنے رکھ کر حدیث پر غور کرنا چاہیے۔"[1]

موصوف یہاں جس بات کی تلقین فرما رہے ہیں، یہ تو ائمۂ حدیث کا رویہ رہا ہے اور حدیث کو حجت ماننے والوں کا اب بھی ہے۔ اسی لیے محدثین نے تمام صحیح احادیث کو جمع اور مدون کیا ہے اور اس طرح کے الفاظ کے ظاہری فرق و تعارض کو اہمیت نہیں دی۔ اس لیے کہ بیان واقعہ یا کسی کے ملفوظ کلام کے نقل و روایت میں مختلف راویوں کے الفاظ میں اس طرح کا فرق نہ کوئی حیثیت رکھتا ہے اور نہ اس کی وجہ سے ایسی روایات کو رد ہی کیا جاتا ہے، بلکہ بہ ادنیٰ تامل نہایت آسانی سے ان کے درمیان جمع و تطبیق کی صورت پیدا کر لی جاتی ہے اور کر لی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث میں اس طرح کے ظاہری تعارض کی وجہ سے محدثین نے کسی بھی صحیح السند مرفوع، متصل حدیث کو رد نہیں کیا ہے بلکہ جمع و تطبیق ہی کا اہتمام کیا ہے۔

---

۱ شرح صحیح بخاری، ج ۲، ص: ۲۲۳۔ مطبوعہ ۲۰۰۵ء

محدثین کا طریقۂ جمع و تطبیق

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں محدثین کے جمع و تطبیق کی مختلف صورتوں اور طریقے کی مختصر وضاحت کر دی جائے تاکہ اس حوالے سے منکرین حدیث جو 'گھپلے' کرتے ہیں، اس کی حقیقت واضح ہو جائے۔ بعض روایات میں جو ظاہری تعارض نظر آتا ہے، اس کے حل کے لیے محدثین حسبِ ذیل طریقے اختیار کرتے ہیں:

① سند کے اعتبار سے اگر ایک روایت صحیح ہے اور دوسری ضعیف، تو صحیح السند روایت کو وہ قبول کر لیتے اور ضعیف کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

② اگر سند کے اعتبار سے دونوں صحیح ہوتی ہیں لیکن درجۂ صحت میں ایک کو دوسری پر کسی وجہ سے برتری حاصل ہوتی ہے تو وہ راجح قرار پاتی ہے۔ جیسے: ایک روایت سنن اربعہ میں سے کسی کی ہے جب کہ دوسری متفق علیہ، یا صحیح بخاری، یا صحیح مسلم کی ہے، تو اس دوسری قسم کی روایت کو صحت کے اعتبار سے فائق تر ہونے کی وجہ سے دوسری روایات پر ترجیح حاصل ہو گی۔

③ بعض متعارض روایات میں قرائن سے تقدیم و تاخیر کا علم بھی ہو جاتا ہے، وہاں مؤخر روایت کو ناسخ اور مقدم روایت کو منسوخ تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

④ جہاں تقدیم و تاخیر کا علم بھی نہ ہو اور صحت کے لحاظ سے بھی دونوں یکساں ہوں، تو محدثین دونوں روایات کا ایسا محمل اور مفہوم بیان کرتے ہیں کہ جس سے ان کا ظاہری تعارض دور ہو جاتا ہے۔ جیسے مزارعت کی احادیث ہیں، بعض سے مزارعت کا جواز ثابت ہوتا ہے، بعض سے ممانعت کا۔ محدثین کہتے ہیں: ممانعت کا تعلق ان صورتوں سے ہے جن میں کسی ایک فریق پر ظلم و زیادتی کا امکان ہو اور جن میں ایسی صورت نہ ہو، وہاں جواز ہے۔

⑤ اسی طرح بعض احادیث ایسی ہیں جن میں کسی میں نَہی (ممانعت) ہے تو کسی میں جواز، تو وہاں تطبیق کی ایک صورت یہ بھی اختیار کر لی جاتی ہے کہ نَہی کو نَہی تنزیہی قرار دے دیتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ اس کام کا نہ کرنا بہتر ہے، تاہم کسی موقع پر اسے کر لیا جائے تو اس کا جواز ہے۔ جیسے کھڑے ہو کر پانی پینے کی روایات بھی ہیں اور جواز کی بھی۔ اس میں یہی تطبیق ہے کہ بیٹھ کر پانی پینا بہتر ہے، تاہم کھڑے کھڑے بھی پینا جائز ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس طرح کی دیگر روایات ہیں۔

⑥ اسی طرح مثبت کو منفی پر، عمل کو قول پر ترجیح دے کر تعارض کو دور کر لیا جاتا ہے۔

⑥ کسی روایت میں اختصار کی وجہ سے ابہام ہوتا ہے، اسے دوسری مفصل روایت سے دور کر لیا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح تمام صحیح روایات قابل عمل اور قابل حجت رہتی ہیں، کسی کو مسترد کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ تاہم اس میں سب سے بڑی چیز امانت و دیانت کا جذبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محدثین کرام کو اس وصف سے بھی بدرجۂ اتم نوازا تھا۔

محدثین نے ایک تو سند کے پرکھنے میں کوئی رورعایت ملحوظ نہیں رکھی۔ اس لیے کہ سند ہی سب سے بڑی اور اصل چیز ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے: الإسناد من الدين، لولا الإسناد لقال من شاء ماشاء. ''اسناد دین کا حصہ ہے، اگر سند کو ضروری نہ سمجھا جائے تو پھر تو ہر شخص جو چاہے کہہ سکتا ہے۔'' دوسرے، صحتِ سند کے بعد اُنہوں نے کسی بھی روایت کو فقہی تعصب یا کسی بھی وجہ سے نہ کنڈم کرنے کی کوشش کی اور نہ کوئی خلافِ واقعہ تاثر دیا۔ اس طرح انہوں نے امانت و دیانت کی بھی اعلیٰ مثالیں پیش کیں جیسے احادیث کی حفاظت و صیانت میں انھوں نے امکانی حد تک بے مثال کاوشیں کیں۔ شَكَرَ اللّٰهُ مَسَاعِيْهِمْ

۳۔ حدیث و سنت میں تفریق کا اختراعی نظریہ

حدیث سے جان چھڑانے کے لیے منکرین حدیث مختلف قسم کے دعوے کرتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا دعویٰ یہ ہے کہ حدیث کئی سو سال بعد معرضِ تحریر میں آئی ہے۔ لیکن علماء نے ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ حفظ و ضبط کے خصوصی اہتمام کے ساتھ اس کو کتابت کے ذریعے سے بھی محفوظ کرنے اور رکھنے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ و تابعین میں بھی یہ کام ہوا، اس کے بعد بھی تسلسل سے جاری رہا۔ تا آنکہ جامعین حدیث نے اس سارے تحریری مواد کو مسانید و معاجم اور سنن کی کتابوں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ فراہی گروہ جانتا ہے کہ اس بے بنیاد پروپیگنڈے کے غبارے کی ساری ہوا علماء و محققین نے نکال دی ہے۔ تو اس گروہ نے انکارِ حدیث کے لیے ایک نیا نظریہ ایجاد کیا کہ حدیث اور ہے اور سنت اور۔ سنت تو اُمت کے تواتر عملی سے ثابت ہے اور وہ حجت ہے اور وہ چند اعمال ہیں۔ اور حدیث، رسول اللہ ﷺ کے قول، عمل اور تصویب کا نام ہے جو احادیث کے مجموعوں میں مدوّن ہیں لیکن یہ سب ظنی، یعنی مشکوک ہیں۔ اس لیے یہ سارا ذخیرۂ احادیث غیر معتبر ہے۔ اس سے نہ قرآن کی تفسیر میں مدد لی جاسکتی ہے اور نہ اس سے کسی عقیدہ و عمل کا اثبات ہو سکتا ہے۔ یوں اس خانہ ساز نظریے اور سنت کے اپنے اختراعی مفہوم کی بنیاد پر احادیث کو ناقابل حجت قرار دے کر مکر و فریب کا ایسا شاہکار مظاہرہ کیا ہے کہ لوگ اس گروہ کو سنت

کا ماننے والا ہی تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ ان کے نزدیک 'سنت' سے مراد اصطلاحی سنت نہیں ہے جس میں تمام احادیث رسول آتی ہیں اور تمام مسلمانوں کے نزدیک سنت سے تمام احادیث رسول ہی مراد ہوتی ہیں، نہ کہ صرف تواترِ عملی پر مبنی چند سنتیں، یا صرف ۲۷ سنتیں۔

احادیثِ رسول کو غیر معتبر ٹھہرانے کا یہ کیسا بہانہ ہے جو شیطان نے اس گروہ اور اس کے ائمہ کو سجھایا ہے۔

۴۔ صحیح احادیث مردود اور منکر روایات مقبول

یہ بھی منکرین حدیث ہی کا شیوہ رہا ہے اور ہے۔ اصلاحی صاحب کا بھی یہی رویہ ہے۔ ان کے نزدیک صحیح بخاری کی متفق علیہ دسیوں روایات مردود ہیں۔ اس کے مقابلے میں 'مبادئ تدبر حدیث' میں کئی منکر (سخت ضعیف روایات) سے استدلال کیا ہے۔[1]

۵۔ صحیح بخاری کی عظمت کو گھٹانا

صحیح بخاری کی عظمت بھی ہر منکر حدیث کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔ اس لیے اس پر نکتہ چینی، اس کی احادیث پر بے جا اعتراضات اور امام بخاری کی شخصیت وفقاہت کو داغ دار ثابت کرنا ہر منکر حدیث کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اصلاحی صاحب بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں ہیں۔

اس مقام پر آپ صرف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا وہ تبصرہ ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے امام بخاری کی عظمت اور شان گھٹانے والوں کے بارے میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيحٌ بالقطع، وأنهما متواتران إلىٰ مُصنفَيْهما، وانه كل من يُهَوِّن أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين.[2]

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی بابت محدثین کا اتفاق ہے کہ ان میں جتنی بھی مرفوع متصل احادیث ہیں، وہ قطعی طور پر صحیح ہیں اور وہ اپنے مصنفین تک متواتر ہیں۔ نیز یہ کہ جو شخص بھی ان دونوں (مجموعہ ہائے حدیث) کی شان گھٹاتا ہے، وہ بدعتی ہے، اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کا پیروکار ہے۔"

---

۱ ملاحظہ ہو 'مبادئ تدبر حدیث': ص ۶۵، ۶۷، ۷۷، ۷۹ اور ۱۱۶۔ ان کی شروح حدیث میں بھی اس کے نظائر ہیں۔

۲ حجۃ اللہ البالغۃ، ص: ۱۳۴

۶۔ روایات میں تشکیک پیدا کرنا

یہ بھی منکرین حدیث کی ضرورت ہے، اس لیے یہ بھی ان کا دلچسپ مشغلہ ہے، اصلاحی صاحب کو جہاں بھی ایسا موقع ملا، اس سے فائدہ اٹھانے میں کوتاہی نہیں کی بلکہ اس کے لیے گنجائشیں نکالنے میں رہتے ہیں۔ مثلاً مسئلہ بیع خیار میں ایک حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بائع اور مشتری دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل میں اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں۔ سوائے بیع خیار کی صورت میں۔"[1]

اس حدیث میں خیار مجلس کا بیان ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بائع (بیچنے والا) اور مُشتری (خریدار) جدا نہ ہوں تو دونوں میں سے ہر ایک کو سودا فسخ کرنے کا اختیار ہے، بائع کہے: میں نے جو چیز بیچی ہے، میرا ارادہ بدل گیا ہے، اب میں نے نہیں بیچنی۔ یا خریدار کہے: میں نے جو چیز خریدی ہے، میں نہیں لیتا، تم اسے واپس لے لو۔ جب تک مجلس نہیں بدلتی اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو جاتے، دونوں کو اختیار ہے۔ ہاں بیع خیار میں ایسا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہاں اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس میں تو پہلے ہی متعین دنوں تک اختیارِ فسخ حاصل ہوتا ہے۔ اس حدیث میں کسی قسم کا اشکال نہیں ہے۔ لیکن اصلاحی صاحب اس میں تشکیک پیدا فرماتے ہیں، ان کا تبصرہ یا وضاحت ملاحظہ ہو:

"یہاں الفاظ کل واحد منھما آئے ہیں، یعنی بائع اور مُشتری دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے۔ یہ سب روایت بالمعنی کے باعث ہوتا ہے۔ یہ غور کرنا پڑے گا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے یعنی شریعت کی بات ہے یا کسی راوی صاحب کا اجتہاد ہے۔ حدیثوں میں یہ بہت ہے اور روایت بالمعنی نے مفہوم میں بڑا فرق کر دیا ہے۔"[2]

یعنی حدیث میں قطعاً کوئی اشکال نہیں، لیکن اپنے ذہنی خلجان کو پہلے راوی کے ذمے لگاتے ہیں۔ اس میں 'راوی صاحب' کے الفاظ بھی راویانِ حدیث سے بغض کے غماز ہیں۔ پھر اس کو 'روایت بالمعنی' کا کرشمہ باور کراتے ہیں، مزید ستم، یہ کہ "حدیثوں میں یہ بہت ہوتا ہے۔" نیز "روایتِ بالمعنی' نے مفہوم میں بڑا فرق کر دیا ہے۔" احادیث میں تشکیک پیدا کرنے ہی کا انداز ہے۔

---

۱ ترجمہ حدیث، از اصلاحی صاحب

۲ شرح صحیح بخاری، ج ۱، ص: ۴۱۳

ایک بات (اشکال) جو سرے سے حدیث میں ہے ہی نہیں، وہ اپنی طرف سے بنائی، پھر اس کو بتنگڑ اور رائی کو پربت بنادیا۔ گویا بقول فیض احمد فیض ؎

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا — وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

ایک اور مثال ملاحظہ ہو، نبی ﷺ نے فرمایا:

"بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں۔ ہمام کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں یوں لکھا پایا: تین بار اختیار کرے۔"

اس کی وضاحت میں اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

"اس روایت میں ایک بات غور طلب ہے وہ یہ کہ ہمام کی اس بات کا کیا مطلب ہے کہ تین بار اختیار کرے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے دیا، میں نے دیا، میں نے دیا۔ اور دوسرا کہے: میں نے لیا، میں نے لیا، میں نے لیا۔ بہر حال میں اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔"[1]

یہ حدیث کی شرح ووضاحت ہے یا حدیث کے ساتھ استہزا؟ حالانکہ شارحین نے وضاحت کر دی ہوئی ہے کہ ہمام راوی کا یہ کہنا کہ میری کتاب میں "اختیار کرے" (یختار) بھی لکھا ہوا ہے، یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں اور حضرت قتادہ سے بیان کرنے والے دوسرے راویوں کے بھی خلاف ہیں۔[2] یعنی یہ حدیث ہمام راوی کے الفاظ (یختار ثلاث مرات) کے بغیر ہے۔ پھر ان غیر محفوظ الفاظ کو بنیاد بنا کر حدیث کا مذاق اڑانا، یہ کسی محدث یا شارح کا کام ہے یا کسی منکرِ حدیث کا؟

ایک تیسری مثال: نبی ﷺ کی ایک پیش گوئی کا مذاق... اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک لشکر کعبہ پر حملہ کرے گا تو جب وہ سرزمین کے کھلے میدان میں ہوں گے تو ان کے اول و آخر سب زمین میں دھنسا دیے جائیں گے۔ الحدیث"

یہ ایک پیش گوئی ہے، پتہ نہیں کب ظہور میں آئے؟ لیکن اصلاحی صاحب دو واقعے نقل کر کے، ایک عبد اللہ بن زبیر کے مکہ پر قابض ہونے کا، دوسرا اصحابِ فیل کا، کہ ان میں سے تو کسی پر یہ واقعہ صادق نہیں آسکتا۔ لکھتے ہیں:

---

۱ حوالہ مذکور، ص:۶۱۶

۲ فتح الباری: ۴/ ۴۲۲، طبع دار السلام

"یہ روایت بہت مشکل ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی پیش گوئی کی ہے یا کوئی رؤیا بیان فرمائی ہے، یہ شبہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دوسری روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ایک دن نبی ﷺ سے سوتے میں کچھ غیر معمولی باتیں صادر ہوتے دیکھنے میں آئیں۔ اس کے بعد حضرت نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو ظاہر ہے کہ اس کا واضح قرینہ تو یہی ہوا کہ آپ نے کوئی رؤیا بیان کی ہو۔ رؤیا تعبیر کی محتاج ہوتی ہے اور کسی روایت میں اس کی تعبیر نہیں ہے۔ اگر فرض کر لیجیے کہ رؤیا کو ظاہر ہی پر محمول کریں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا لشکر ہے جو مکہ پر حملہ آور ہوا اور پھر اس کا یہ انجام ہوا؟... اگر اس کو پیش گوئی پر محمول کیجیے تو ابھی تک اس کی تصدیق نہیں ہوئی۔"[1]

ایک پیش گوئی پر مبنی روایت میں تشکیک پیدا کرنے کی کیسی بھونڈی کوشش ہے کہ پہلے حضرت عائشہ کی ایک روایت کا (بغیر حوالے کے) تذکرہ کر کے اسے رؤیا باور کرایا۔ رؤیا والی حدیث کی جو نسبت حضرت عائشہ کی طرف کی گئی ہے، وہ کون سی حدیث ہے؟ ہمارے علم میں نہیں، موصوف نے بلا حوالہ نقل کی ہے۔ پھر اس بے حوالہ روایت کی بنیاد پر اس کو رؤیا سے تعبیر کر دیا، اور پھر اس کو پیش گوئی کے بجائے اس بات کا قرینہ ٹھہرالیا کہ یہ رؤیا ہے۔ پھر سوال پیدا کر دیا کہ یہ کون سا لشکر ہے؟ یعنی حدیث میں تشکیک پیدا کرنے کے لیے ایک مفروضہ نہیں، مفروضات کا طومار کھڑا کر دیا۔ پھر بھی کوئی بات نہیں بنی، اس لیے کہ

کیا بنے بات، جہاں بات بنائے نہ بنے!

یہ کہنا پڑا کہ "اگر اس کو پیش گوئی پر محمول کیجیے تو ابھی تک اس کی تصدیق نہیں ہوئی۔" بات تو حدیث میں اتنی ہی تھی، یعنی ایک پیش گوئی۔ آگے مزید فرماتے ہیں:

"لیکن پیشین گوئیوں کے وقت کا تعین نہیں ہو سکتا، وہ مستقبل میں کسی وقت بھی ظاہر ہو سکتی ہیں۔"

یہ حدیث کی شرح و وضاحت ہے یا مفروضات کا گورکھ دھندا؟ اور تان بالآخر پیش گوئی ہی پر ٹوٹتی ہے جو حدیث کا اصل مقصود ہے۔ لیکن اپنی ہمہ دانی کے زعم اور ادعا سے خواہ مخواہ حدیث میں تشکیک پیدا کرنے سے نہیں چوکے۔ شرح صحیح بخاری کی دونوں جلدوں میں قدم قدم پر 'وضاحت' کے نام پر تشکیک کی یہ مذموم اور ناکام مثالیں بکثرت ہیں۔

(تفصیلات کے لئے اس موضوع پر محترم حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی تازہ زیر طبع کتاب کا انتظار کریں)

---

1 حوالہ مذکور: ص ۴۱۸، ۴۱۹

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 49 No.6
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

- **عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں**
  لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- **علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں**
  لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- **غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے**
  لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- **تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے**
  لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- **آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے**
  لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- **جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے**
  لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۶۰ روپے
- زرِ سالانہ ۳۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700